اسلامی تحریک دوسری تحریکوں کے مقابل میں

نعیم صدیقی

گذشتہ سے پیوستہ

پھر سرمایہ دارانہ جمہوریت کی ساخت ایسی ہے کہ اس میں تبدیلی کی حرکت حد درجہ سست رفتار ہوتی ہے۔ تبدیلی کے لیے طریقہ ہی اتنا پُرپیچ ہے کہ "آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک"۔ مثلاً اپوزیشن کی طرف سے کسی قانون میں کوئی اہم ترمیم[1] مطلوب ہے۔ اس کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ اس ترمیم کو اخبارات اور جلسوں کے ذریعے پبلک کے سامنے رکھا جائے اور رائے عام کو اس کے حق میں ہموار کیا جائے۔ دوسرا قدم یہ ہے کہ اس کے لئے عام مطالبے کی ایک لہر پیدا کر کے دکھا دی جائے۔ اس کے بعد اگر آپ اسے پارلیمنٹ میں پیش کرتے ہیں تو ضروری نہیں کہ اسے قبول کر لیا جائے۔ اب پھر آپ عوام کے سامنے فریاد لے کے نکلے۔ پھر آپ نے احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ شروع کیا، اور دوسری طرف پارلیمنٹری پارٹیوں سے سازباز کی مہم کا آغاز کیا اور ایک مدت کے بعد دوبارہ اس ترمیم کو کسی اجلاس میں لائے۔ ہوسکتا ہے کہ ملک کے دباؤ کے تحت اسے قبول کر لیا جائے، لیکن اس میں حکمران طاقت اتنا تصرف کر دیتی ہے کہ ترمیم کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ الغرض ایک چھوٹی سی تبدیلی کے لئے بسا اوقات برسوں کی جدوجہد مطلوب ہوتی ہے لیکن اگر کچھ ذرا بڑی تبدیلیاں مطلوب ہوں تو پھر آپ میدان میں نکلیے اور ایک نئی پارٹی تیار کیجئے، اس کی توسیع و استحکام میں عمر کھپایئے اور جب پھر وہ پارٹی جوان ہو کر رائے عام کو ساتھ لے لے تو پھر وہ موقع آئے گا کہ حالات میں چند تبدیلیاں واقع ہوں۔ اس سے بھی آگے اگر آپ دستور

---

[1] پاکستان میں اس کی اہم مثال سیفٹی قوانین ہیں جن کے خلاف ملک چار سال سے چیخ رہا ہے، پریس ان کے خلاف لکھ رہا ہے، جلسوں میں ہزاروں مرتبہ ریزولیوشن پاس ہو چکے ہیں۔ لیکن "زمین جنبد نہ جنبد گل محمد"! ان "گل محمد" صاحب سے نجات پانے کے لئے بیچارے پاکستان کی پارٹیوں کو مزید کتنی مدت تک ایڑیاں رگڑنی پڑیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کو بدلنا چاہتے ہوں تو ہو سکتا ہے کہ آپ کو سول وار لڑنی پڑے۔

سرمایہ دارانہ جمہوریت "فرد کی آزادی" کا ڈھول خوب پیٹتی ہے۔ مگر یہ آزادی فی الحقیقت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ فرد سرمایہ دار طبقہ کے مفاد کے خلاف کوئی جنبش نہ کرے۔ ورنہ پھر یہ جمہوریت فاشزم کی سطح پر آکھڑی ہوتی ہے۔ چنانچہ امریکہ میں جو لوگ سرمایہ دارانہ نظام کو بنیادی طور پر بدلنا چاہتے ہیں ان کی سرگرمیوں کے لئے سرکاری اصطلاح جو استعمال کی جا رہی ہے وہ "امریکہ دشمن سرگرمیوں" Un-American Activities کی ہے۔ نومبر ۱۹۴۶ء میں ان سرگرمیوں کی جڑیں کھودنے کی باقاعدہ مہم شروع کرنے کا اعلان کیا گیا تھا اور اس کے بعد "امریکہ دشمن سرگرمیوں" کا جن افسروں پر شبہ ہوا ان کو برطرف Purge کیا جا رہا ہے اسی مقصد کے لئے "سول سروس کمیشن" کی جگہ اب "فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن" کو دی گئی ہے جو ۱۹۴۷ء سے تمام سول ملازمین کا جائزہ لینے پر مامور ہے کہ "کمیونسٹ میلانات" کہاں کہاں پائے جاتے ہیں۔

اس توضیح سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جمہوری نظاموں میں کسی بڑی اصولی تبدیلی کے لئے کوئی راستہ کھلا ہوا نہیں ہے۔

آخر میں یہ بھی کہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فلسفۂ الحاد نے جو اخلاق باختہ انسان تعمیر کر کے دیا ہے وہ اپنے آپ پر بھی اعتماد کرنے پر تیار نہیں ہے۔ چنانچہ مغربی جمہوریتوں کا ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ حکومت اور عوام، صدر اور پارلیمنٹ، نمائندے اور ووٹر سب کے سب ایک دوسرے کو بے اعتمادی سے دیکھتے ہیں۔ اس بے اعتمادی کی وجہ سے طرح طرح کی پابندیاں اور قسم قسم کی قیود ہیں جو جمہوریت کے طریق کار میں قدم قدم پر لگائی جاتی ہیں۔ لیکن اخلاقی دیوالیہ پن اپنا جوہر دکھائے بغیر نہیں رہتا۔ اس عام بے اعتمادی نے بھی جمہوری نظاموں کو کھوکھلا کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔

حضرات! یہ وہ مفاسد ہیں کہ جن کی وجہ سے مغرب کے جمہوری نظاموں کے اندر وہ جوہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالکل تباہ ہو گیا ہے کہ جس کے بغیر جمہوری نظام میں سرے سے کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی ۔

سرمایہ دارانہ جمہوریت کا معاشی پہلو

مغرب میں تحریکِ جمہوریت کے ساتھ ساتھ جو نظامِ معیشت پروان چڑھا ہے اسے ہم سرمایہ دارانہ نظام کے نام سے جانتے ہیں ۔

یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مغرب کے دورِ جدید کی سربراہ کاری بورژوا طبقہ کے ہاتھ میں تھی اور اس نے جمہوری انقلاب اور صنعتی انقلاب کے پورے کے پورے فوائد اپنے لئے سمیٹ لینے میں پوری پوری خود غرضی سے کام لیا ۔ پرانے بادشاہوں کو اور جاگیرداروں اور پوپوں کو ان کے مقام سے ہٹا کر یہ لوگ خود ان کی خالی جگہوں پر قابض ہو گئے ۔ ظلم کی جو تلواریں پرانے ظالموں کے ہاتھوں سے چھینی گئی تھیں اُن کو ان نئے ظالموں نے اپنی کمر سے باندھ لیا ۔ اب جو نیا نظام بنا اس کی بنیادیں اس طبقہ نے اپنے مفاد کے مطابق استوار کیں ۔ علوم و فنون، حکومتوں کے ڈھانچے، قوانین کی حد بندیاں، تعلیم کے نقشے اور سوسائٹی کے مختلف اداروں کے طریقہ ہائے کار اسی طبقہ کی اغراض کے سانچوں میں ڈھل گئے ۔ اس طرح جمہوری تحریک کے سائے میں معاشی نظام نے جو نشو و نما پائی وہ بھی سرمایہ دارانہ معیشت پر منتج ہوئی ۔

سرمایہ دارانہ معیشت کی بنیادیں جن اصولوں پر استوار کی گئیں ان میں سے بڑے بڑے اصول یہ ہیں :-

اس نظام کا پہلا اصول یہ ہے کہ شخصی ملکیت کا حق بالکل غیر محدود ہونا چاہیئے ۔ افراد کے لئے پوری آزادی ہو کہ وہ جو املاک جیسے چاہیں حاصل کریں، اُن کو نفع اندوزی کا ذریعہ بنائیں، اور ان کے بل پر دنیائے معیشت میں تاخت کریں ۔ اس حق پر بالعموم کوئی قانونی نہ اخلاقی قید نہ ہونی چاہیئے ۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ فرد کے لئے آزادیِ سعی کا پورا پورا حق محفوظ ہونا چاہیئے ۔ یعنی اپنے سرمائے، اپنے وسائل، اپنے دماغ اور اپنی محنت کو افراد میدانِ معیشت میں جس جس طریقے سے بھی استعمال کرنا چاہیں اور جو جو بھی فائدے ان کے بل پر اٹھانا چاہیں، اس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کو پوری آزادی حاصل ہونی چاہیئے۔ سوسائٹی کو آزادیٔ سعی کے اس حق میں رکاوٹیں ڈالنے سے باز رہنا چاہیئے۔

تیسرا اصول یہ ٹھیرا کہ معیشت کے ارتقا اور معاشی معاملات کی درستی کے لئے ذاتی نفع محرک عمل ہوگا۔ نفع کا محرک ہی سرمایے اور قویٰ کو میدان میں لائے گا، نفع کا محرک ہی زراعت، صنعت اور تجارت کی ترقی کا موجب ہوگا، نفع کا محرک ہی کثیر پیدا آوری اور زود پیدا آوری کا ذریعہ بنے گا، نفع کا محرک ہی ایجاد و اختراع کا ضامن ہوگا اور نفع کا محرک ہی سوسائٹی کی گوناگوں ضروریات کو پورا کرنے کا وسیلہ ہوگا۔ پھر نفع کا محرک ہی مقابلہ پیدا کرے گا اور یہی محرک قیمتوں کو سنبھالے گا۔

چوتھا اصول سرمایہ دارانہ معیشت نے یہ اختیار کیا کہ آزادانہ مقابلہ و مسابقت کی فضا قائم رکھی جائے گی۔ افراد اپنے اپنے سرمایے اور اپنی اپنی صلاحیتوں اور اپنے اپنے ذرائع و وسائل کو لے کر میدانِ معیشت میں جس طرح چاہیں آزادی سے مقابلہ و مسابقت کریں۔ آزادانہ مقابلہ و مسابقت کی فضا میں جو جس کو پچھاڑ لے اور جو جس طرح چاہے آگے بڑھ جائے، اس میں سوسائٹی کی مداخلت نہ ہونی چاہیئے۔

پانچواں اصول یہ طے پایا کہ اجیر اور مستاجر کے حقوق میں بالکل بنیادی فرق ہے اور اسے بحال رکھ کر ہی ان کے باہمی مسائل کو طے ہونا چاہیئے۔ ہر کاروبار میں مالک اور ملازم و مزدور دو الگ الگ عناصر بالکل الگ الگ حیثیتیں رکھتے ہیں۔ مستاجر جس کا سرمایہ لگتا ہے، جو ساری منصوبہ بندی کرتا ہے، جو کاروبار کے نفع کے ساتھ ساتھ نقصان کا خطرہ بھی مول لیتا ہے اس کے حقوق بالکل جداگانہ ہیں، اور اجیر جس کو ہر حال میں اپنی اجرت سے مطلب ہے اس کے حقوق بالکل دوسرے ہیں۔ ان دونوں کے باہمی معاملات حالات کے زیرِ اثر خود بخود جس طرح طے ہوتے رہیں وہی فطری صورت ہے۔ مستاجر کی کوشش فطرۃً یہ رہے گی کہ وہ اجیر کو کم سے کم دے اور اجیر کی جدوجہد لازماً یہ ہوگی کہ وہ اپنی محنت کا زیادہ سے زیادہ معاوضہ پائے۔ دونوں کی یہ کشمکش بالکل فطری ہے اور یہ فطری کشمکش فطری قوانین کے تحت خود بخود کسر و انکسار سے گذر کر اجیر اور مستاجر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے درمیان حقوق کا توازن قائم رکھے گی۔

چھٹا اصول یہ ہے کہ معاشی ارتقا کا دار و مدار فطری قوانین پر ہونا چاہیئے۔ یعنی جس نظامِ معیشت میں ذاتی نفع ہی محرکِ عمل ہو، اس میں کاروباری طبقہ مجبور ہے کہ میدانِ مسابقت میں اچھے سے اچھے آلات استعمال کرے، بہتر سے بہتر تنظیم پیدا کرے، اجناسِ خام ارزاں سے ارزاں حاصل کرے اور ترقی کی ہر ممکن تدابیر اختیار کرے۔ اس وجہ سے سرمایہ دارانہ معیشت کی منصوبہ بندی قوانینِ فطرت خود بخود بہترین طریق پر کرتے رہتے ہیں۔ اس نظام میں کسی منصوبہ بندی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہاں قوانینِ فطرت پر کلّی اعتماد کرنا چاہیے۔

ساتواں اصول یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت کی فلاح و ترقی اور اس کے فطری نتائج کے ظہور کا دار و مدار ریاست کی عدم مداخلت پر ہے۔ ریاست افراد کے مفاد کی محافظ ہے، ان کے حقوق کی نگراں ہے، انکی ترقی کے لئے امن اور نظم قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے، مگر ان کی کاروباری سرگرمیوں میں مداخلت کرنا اس کا کام نہیں۔

سرمایہ دارانہ معیشت کے مفاسد | یہ اصول جو سرمایہ دارانہ معیشت نے اختیار کئے تھے ان میں بعض بڑی بڑی صداقتیں بھی شامل تھیں، لیکن ان صداقتوں کو بعض مہلک تصورات کے ساتھ ترکیب دی گئی اور پھر یہ مرکب اصول جب تہذیبِ الحاد کے غیر اخلاقی ماحول میں اُس خطرناک انسان کے استعمال میں آئے جو تہذیبِ الحاد کے سانچے میں ڈھلا تھا تو ان اصولوں نے مفاسد کے برگ و بار لانے شروع کر دیئے۔

سب سے بڑی بنائے فساد تو یہ تھی کہ بے قید نظامِ معیشت میں سوسائٹی کے سارے عناصر اور سارے طبقات کے لئے فوائد سمیٹنے کے مواقع یکساں نہ تھے، بلکہ اس نظام میں لُوٹ مچانے کا موقع پورے کا پورا سرمایہ دار طبقے کے لئے تھا، اور اس نے اس خوانِ یغما کو لوٹنے میں واقعۃً بھی کوئی کوتاہی نہیں کی۔ انفرادی آزادی اور آزاد مقابلہ کی فضا صرف اُسی ایک طبقے کو راس آسکتی تھی جو سرمایہ، دماغ، سیاسی اختیارات اور اثر و رسوخ وغیرہ سارے ہی پہلوؤں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بالادست تھا۔

اندریں حالات حکومت کی عدم مداخلت کے اصول نے اور ستم ڈھایا۔ مشین کی کثیر پیداآوری جب بے کاری کا بگل بجاتی ہوئی آئی تو محنت پیشہ لوگ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں آآ کر سرمایہ دار طبقے کے قدموں میں گرنے لگے۔ محنت کاروں کی اس بے بسی سے سرمایہ دار طبقہ نے اپنی بالادستیوں کا پورا پورا ناجائز فائدہ اٹھایا اور من مانی اجرتوں اور شرائط پر انسانی محنت کو غلامی میں لے لیا۔ انسان بالکل جانوروں کی طرح استعمال کیے گئے اور جہاں کوئی ناکارگی کی حالت میں مبتلا ہوا اس کو کورا جواب دے کر بے بسی کے کھڈ میں دھکیل دیا گیا۔ حکومتیں جو سرمایہ دار طبقہ کے زیر اثر تھیں اس صورتِ حالات کو دیکھتی رہیں لیکن وہ کچھ نہ کر سکیں، کیونکہ وہ عدم مداخلت کے اصول کی پابند تھیں۔

دوسرا بڑا مفسدہ یہ پیدا ہوا کہ "نفع" جب نصب العین ٹھیرا تو ذاتی مفاد کے لیے سرمایہ دار طبقہ نے اجتماعی مفاد کو شدید سے شدید ضرر پہنچانے میں بھی کوئی تأمل نہ کیا۔ چنانچہ نفع پرستی نے ذخیرہ اندوزی کر کے قیمتیں چڑھانے اور ایک ایک جنس کے کئی کئی بار غائبانہ سودے کر کر کے اس میں سے بار بار نفع نچوڑنے کی بیماری پیدا کر دی۔ پھر قیمتوں کو مطلوبہ سطح سے نیچے گرنے سے روکنے کے لیے ہزارہا ضرورت مندوں کو آنکھوں کے سامنے ترستا چھوڑ کر اجناس اور پیداواروں کو سمندر میں ڈبونے اور آگ لگا کر تلف کر دینے تک کے طریقے اختیار کیے جانے لگے۔ پھر اس نفع پرستی نے سرمایہ دار طبقہ کو اتنا پست کر دیا کہ انھوں نے اپنی قوموں میں تعیشات کا روگ پھیلایا تاکہ ان کے لیے کمائی کا وسیع میدان پیدا ہو۔ انھوں نے نہایت درجہ مضر صحت اور مخرب اخلاق مصنوعات کو بیچ کر نفع حاصل کرنے کے لیے اپنی ہی قوموں میں دلکش پروپیگنڈے کے ذریعے انکی چاٹ پیدا کی۔ تکلفات اور آرائشات کو بڑھا کر اور ضروریات اور تفریحات کا میدان وسیع کر کر کے عوام کی جیبیں کاٹی گئیں۔ پھر یہ نفع پرستی ہی تھی کہ جو اپنی قوم کی قوتِ خرید کو پوری طرح نچوڑ لینے کے بعد دوسری قوموں میں منڈیاں بنانے کے لیے نکلی اور اس مقصد کے لیے اس نے نوآبادیاتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کشمکش اور جنگ و جدال کا ایک طوفان اٹھا کر پورے کرۂ ارض کو امن و امان سے محروم کر دیا۔

تیسرا بڑا مفسدہ جو اس نظام کے بطن سے رونما ہوا، سود خواری کا مفسدہ تھا۔ نفع پرستی کے روگ نے اہل سرمایہ میں سیرت کی اتنی پستی پیدا کر دی کہ وہ اپنا زائد سرمایہ کسی فرد اور فرم تو کیا، اگر حکومت اور قوم کو بھی مستعار دیں تو اس شرط پر دیں کہ لینے والے کو نفع ہو یا نقصان، ان کو بہر حال طے شدہ منافع ملنا چاہیئے۔ حد یہ کہ اگر ملک و قوم کسی دشمن کی مدافعت کے لئے بھی قرض لیں تو دفاع کے لئے جانیں دینے والوں کے مقابلے میں اس ذلیل طبقے کا مطالبہ بہر حال اپنی جگہ اٹل تھا کہ ان کے سرمائے پر اتنے فیصدی سود سالہا سال تک ضرور ادا ہوتے رہنا چاہیئے۔ سود کے اصول پر منافع کے یک طرفہ بہاؤ کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ معاشی توازن تیزی سے بگڑتا گیا۔

چوتھا مفسدہ یہ رونما ہوا کہ اس نظامِ معیشت نے اخلاقی دیوالیہ پن کو عملاً مکمل کر دیا۔ ہمدردی، تعاون، رحم، شفقت اور اس طرح کے دوسرے تمام انسانی اوصاف سوسائٹی میں بالکل مرجھا کر رہ گئے۔ معاشرہ کے رگ رگ میں زر پرستی، بندگیٔ شکم، خود غرضی اور دوسرے حیوانی جذبات کا زہر پوری طرح سرایت کر گیا۔

اور ان سارے مفاسد کا مجموعی نتیجہ ایک اور بڑے مفسدے کی صورت میں رونما ہوا۔ وہ یہ کہ سوسائٹی میں فرد فرد اور طبقے طبقے کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔ قومیں داخلی طور پر ظالم اور مظلوم عناصر میں بٹ گئیں اور ان عناصر کی باہمی کھینچا تانیوں نے سارے نظامِ تمدن کو امن و سکون سے محروم کر دیا۔

یہ ہیں وہ مفاسد جو اس نظام کی مجموعی ترقی میں رکاوٹ بن گئے ہیں۔ آج حال یہ ہے کہ مشینیں زیادہ پیداواریں دے سکتی ہیں مگر چونکہ عوام کی قوتِ خرید گر رہی ہے اس لئے مشینوں سے مزید کام لینا بے کار ہے۔ سرمایہ وافر مقدار میں موجود ہے مگر سرمایہ لگانے کے راستے بند ہیں۔ کام کرنے والے موجود ہیں مگر کام نہیں، اس لئے وہ بے روزگاری کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس طرح مجموعی ترقی رک گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان مفاسد کو خود سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے کارپرداز بھی محسوس کر رہے ہیں۔ ان کے خلاف ذہین لوگ چیختے اور چلاتے بھی ہیں، اور یہ ہر جگہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ حالت ہونی نہ چاہیئے۔ لیکن اصلاح کی جو تدابیر اس نظام کے کارپرداز اختیار کر رہے ہیں وہ کسی اصولی تبدیلی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ اس نظام کے سارے اصولی مفاسد کو جوں کا توں برقرار رکھتے ہوئے کوشش یہ کی جارہی ہے کہ مزدوروں کو مزید کچھ مراعات دے دی جائیں۔ کہیں ان کی اجرتوں میں کچھ اضافہ کیا جارہا ہے کہیں کچھ پنشن دینے کا انتظام ہو رہا ہے، کہیں ان کو علاج کی مزید سہولتیں دے دی گئی ہیں اور کہیں ان کے لئے کاروبار کی حصہ داری کے دروازے کھولے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ جو کچھ ہو رہا ہے، انصاف کرنے کے جذبے سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ محض کمیونزم کی روک تھام کے لئے ہو رہا ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحفظ کے لئے ایک آخری دفاعی پالیسی ہے جو امریکہ، برطانیہ اور دوسرے جمہوری ممالک میں اختیار کی جارہی ہے۔

اس گفتگو سے آپ اندازہ کر سکتے کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کی تحریک نے انسانیت کو جس مقام پر لا کھڑا کیا ہے وہ کیا مقام ہے۔ انسان جس جنت کا تصور باندھ کر اس کی انگلی پکڑ کے چلا تھا آج وہ تصور درہم برہم ہو چکا ہے۔

۲۔ سوشلزم

تہذیبِ الحاد کے بطن سے سرمایہ دارانہ جمہوریت کی جو تحریک نمودار ہوئی تھی وہ جب اس تلخ انجام تک انسانیت کو پہنچا چکی اور اس کے خلاف ہر طرف ایک صدائے احتجاج بلند ہونے لگی تو اس مادرِ تہذیب نے دنیا کو ایک اور تحریک جن کے دی جسے اشتراکیت اور سوشلزم کا نام دیا جاتا ہے۔

سوشلزم کی تحریک جمہوریت کی تحریک سے جتنے اختلافات اور تضاد رکھتی ہے ان کے باوجود اس کی فطرت، اس کی سیرت، اس کا مزاج، اس کی ذہنی بنیادیں اور اس کی رگوں کا خون وہی ہے جو اس کی پرانی حریف تحریک کا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تحریک سرمایہ دارانہ جمہوریت کے مفاسد کے ردّعمل کے طور پر نمودار ہوئی ہے۔ یہ ایک ایسی ذہنی فضا میں پروان چڑھی ہے جس میں انتقامی جذبات رچے بسے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے یہ اپنے مزاج میں ایک جذباتی انتہا پسندی اور ایک اندھا تشدد لئے ہوئے ہے۔ یہ تہذیبِ الحاد کے خلاف پوری انسانیت کی طرف سے اعلانِ جنگ کرنے نہیں اٹھی، بلکہ تہذیبِ الحاد کے سائے میں ایک طبقے کی طرف سے دوسرے طبقے پر حملہ بولنے اٹھی ہے۔ سرمایہ دارانہ جمہوریت کے مقابلے میں جو بنیادی فکری جوہر اس نے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کو جنت بنانے کے لئے اور سوسائٹی کو امن اور خوشحالی اور ترقی دینے کے لئے بنیادی اصلاح یہ ہے کہ انسانی آزادی کا قطعی طور پر خاتمہ کر دینا چاہیئے اور افراد کو ایک قاہرانہ نظامِ اجتماعی کے تحت جکڑ کر اصلاح کو باہر سے بالجبر اس کے اوپر مسلّط کرنا چاہیئے اور اصلاح کی اس تدبیر کو عمل میں لانے کے لئے پہلے ہی قدم پر فرد کے حقوقِ ملکیّت کا کلّی استیصال کر دینا ناگزیر ہے۔

جمہوری اشتراکیت فکری لحاظ سے اس تحریک کی کئی شاخیں ہیں جو مختلف ناموں سے موسوم ہیں۔ لیکن عملی حیثیت سے اس کی دو ہی بڑی قسمیں ہیں:-

ایک ہے جمہوری اشتراکیت Democratic Socialism اور دوسری ہے انقلابی اشتراکیت Revolutionary Socialism

جمہوری اشتراکیت کے علمبردار "قومی ملکیّت" کے اصولوں کو تدریجی طور پر آئینی ذرائع سے نافذ العمل کرنے کو زیادہ صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن اب تک اس طریقے کو جہاں جہاں آزمایا گیا ہے، تجربات حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جمہوری اشتراکیت اب تک بالکل ناکام ہے اس کا سب سے بڑا اور مکمل تجربہ برطانیہ میں لیبر پارٹی نے کیا ہے[1]۔ لیکن واقعات گواہ ہیں کہ یہ

[1] جمہوری اشتراکیت کے تجربے کے لئے برطانیہ سے بہتر فضا کسی اور ملک میں نہ کبھی تھی، نہ ہے۔ برطانیہ اس لحاظ سے دوسرے تمام ممالک سے پیش پیش ہے کہ وہاں کوئی گروہ رائے عام کو تیار کر کے آئینی طریق سے حالات کو تدریجاً بدل سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجربہ بُری طرح ناکام ہو چکا ہے۔ جتنی بھی صنعتوں کو لیبر پارٹی نے نیشنلائز کیا بلا استثنیٰ ان میں سے ہر ایک کی یا تو پیداآوری میں کمی آئی ہے یا پیداواروں کی قیمتیں نمایاں طور پر چڑھی ہیں اور بین الاقوامی مسابقت کے میدان میں برطانیہ نے نیشنلائزیشن کی پالیسی اختیار کرنے کے بعد اپنی پسماندگی کو بُری طرح محسوس کیا ہے۔ چنانچہ لیبر پارٹی کو ہٹا کر کنزرویٹو پارٹی کو برطانوی عوام کا دوبارہ برسرِ اقتدار لانا صرف مشرقِ وسطیٰ کے مسائل کا ردِّ عمل ہی نہیں ہے بلکہ نیشنلائزیشن کی ناکامی کا دخل بھی اس میں اوّلین اہمیت رکھتا ہے۔

یہ تجربہ ناکام کیوں ہوا؟ اس کے تین سبب ہیں:۔

ایک یہ کہ پوری صنعتوں کو بلکہ پورے ذرائع پیداوار کو نیشنلائز کرنے کے بجائے سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے فریم کے اندر ہی اندر چند صنعتوں کو حکومت کی تحویل میں لیا گیا۔ اس طرح ایک نظامِ معیشت میں دوسرے نظامِ معیشت کا پیوند لگانے سے وہ تضاد پیدا ہوتا ہے جس کے ہوتے ہوئے نیشنلائزیشن کے نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ ایک صنعت کا دامن دوسری تمام صنعتوں سے، بلکہ زراعت اور تجارت کے نظام سے بھی بندھا ہوتا ہے۔ اس لئے پورے نظامِ معیشت میں سے چند صنعتوں کو الگ کر کے نیشنلائز کرنے سے وہ نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا جو ہونا چاہیئے۔

دوسرے یہ کہ قومی ملکیت کے اصول کو صنعتوں پر نافذ کرتے ہوئے یہ بہت ہی ناگزیر ہے کہ ملک کو بیرونی دنیا سے منقطع کر لیا جائے۔ تاکہ پیداواروں، اجرتوں اور قیمتوں کو لوگ دوسرے ممالک کی پیداواروں، اجرتوں اور قیمتوں کے مقابلے میں رکھ کر نہ دیکھ سکیں۔ آہنی پردہ Iron Curtain اشتراکیت کو نافذ العمل کرنے کے لئے ایک بنیادی ضرورت ہے۔ لیکن برطانیہ جیسی آزادی پسند اور جمہوریت پسند قوم اس قسم کا سلوک برداشت کرنے پر تیار نہیں ہو سکتی۔ لہذا تجربہ ناکام رہا۔

تیسرے یہ کہ مذکورہ بالا دونوں مقاصد کے لئے یہ بات بھی ضروری تھی کہ برطانیہ پر ایک کڑی ڈکٹیٹرشپ مسلط ہوتی، جس کے مقابلہ میں نہ سرمایہ دار طبقہ کوئی جنبش کر سکتا، نہ رائے عام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سر اٹھا سکتی، نہ پریس کان ہلاتا، نہ کوئی احتجاج کرنا ممکن ہوتا اور نہ کوئی مخالفانہ انتخابی مہم چلائی جا سکتی۔

یہ تینوں شرائط صرف انقلابی اشتراکیت ہی کے تحت پوری ہو سکتی ہیں اور جب تک یہ پوری نہ ہوں جمہوری اشتراکیت کے تجربہ کی کامیابی کا آثار بھی کوئی امکان نہیں ہے۔

انقلابی اشتراکیت سوشلزم کی تحریک اگر عملاً ایک نظام دنیا کو دے سکی ہے تو صرف انقلابی راستے سے دے سکی ہے۔ انقلابی سوشلزم کا تجربہ روس کی سرزمین میں مکمل صورت میں ہمارے سامنے ہے اور ہم اس کا پورا پورا جائزہ لے سکتے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ تفصیلات کو درکنار رکھتے ہوئے اس کے تیس سالہ دور کا جو حاصل ہمارے سامنے آتا ہے وہ اتنا ہے کہ:

(۱) املاک کا منافع افراد کی جیبوں میں جانے کے بجائے حکومت کے خزانے میں آنے لگا۔

(۲) نظامِ معیشت کے حکومت کی تحویل میں آجانے کی وجہ سے اس کی منصوبہ بندی ممکن ہوگئی۔

(۳) آدمیوں کو کام پر لگانے کا انتظام ہوگیا۔

(۴) مجموعی منافع کا ایک حصہ سوشل انشورنس کی مدمیں صرف ہونے لگا۔

لیکن اب دوسرے پہلو سے یہ دیکھیے کہ عوام کو قطعی طور پر Net ملا کیا؟ ملک کے پورے نظامِ معیشت کے مجموعی منافع کا ایک بڑا حصہ — اور بہت بڑا حصہ — تو وہ تھا جو جنگی تیاریوں میں صرف ہونے لگا، پھر بقیہ کا بٹوارہ اس طرح ہوا کہ حکمراں طبقے نے اس میں سے اپنا حصہ خوب دل کھول کر لگایا۔ چنانچہ آج اسٹالین کی بیٹی کی شادی جس شاہانہ ٹھاٹھ سے ساتھ ہوئی ہے وہ اسی اجتماعی منافع کے بل پر ہوئی ہے جسے پیدا کرنے کے لئے شہری مزدور اور دیہاتی کسان معمولی معاوضے پا کر اپنی جان لڑاتے ہیں۔ اس اجتماعی منافع کا بہ مشکل ایک دو فیصدی حصہ ہے کہ جو سوشل انشورنس کی مدمیں صرف ہوتا ہے۔ اس طرح عوام کے لئے حاصل خالص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو رہ جاتا ہے وہ یہ ہے :۔

ایک یہ کہ ہر شہری کے لیے اتنے روزگار کا انتظام کہ اس کے کنبے کو روٹی کپڑا ملنے لگے۔

دوسرے یہ کہ اس کو بُرے وقت میں مالی سہارا مل جائے۔

تیسرے یہ کہ رفاہ عامہ کے مختلف ادارات برسرِ عمل رہیں۔

اب ذرا یہ بھی سن لیجیے کہ اس حاصل کی عوام کو قیمت کتنی ادا کرنی پڑی ہے۔ اشتراکی انقلاب برپا کرنے کے لیے اور قومی ملکیّت اور کمیونسٹ ڈکٹیٹر شپ کو مسلط کرنے کے لیے جو طوفان بپا کرنا پڑا، جان و مال کی بہت بڑی مقدار اس کی بھینٹ چڑھائی گئی۔ بہت ہی محتاط اندازہ یہ ہے کہ انیس لاکھ جانیں اس انقلاب کی نذر ہوئی ہیں۔ بیس لاکھ افراد کو سنگین سزائیں دی گئی ہیں۔ کم سے کم چالیس پچاس لاکھ افراد کو ملک بدر ہونا پڑا ہے۔ اجتماعی زراعت کی اسکیم کو نافذ کرنے کے لیے چھوٹے اور متوسط زمینداروں پر جو مظالم ڈھائے گئے ہیں وہ اتنے شدید تھے کہ بعض اشتراکی بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

پھر چونکہ اشتراکی انقلاب سوسائٹی کی اُن تمام قدروں کو اُکھیڑنے والا تھا جن کی جڑیں مذہب اور اخلاق میں دور تک اتری ہوئی تھیں، نیز یہ انقلاب ظلم و تشدّد کے بدترین طریقے اختیار کرنے کا متقاضی تھا، اس لیے اسے مذہب و اخلاق کے خلاف جنگ چھیڑنی پڑی اور سوسائٹی کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ مذہب و اخلاق کو "نانِ موعود" کی بھینٹ چڑھا دے۔ مذہب و اخلاق کی جڑیں جب اکھیڑ دی گئیں تو انسانی سیرت و کردار کی چولیں ہل گئیں اور اس کا شیرازہ بالکل بکھر گیا، اور کوئی چیز ایسی باقی نہ رہی جو انسانی فکر و عمل اور جذبات و خواہشات پر بریک کا کام دیتی۔ اس طرح رشوت، خیانت، حق ماری اور دراز دستی کا طوفان ابل پڑا۔ اور پھر اس طوفان کو روکنے کے لیے کوئی صورت اس کے سوا نہ رہی کہ تشدّد اور خوف کی ایک ملک گیر فضا قائم کی جائے۔ اس فضا کو قائم کرنے کے لیے انتہائی بربریت کے ہتھیار استعمال کیے گئے جاسوسی کے نظام کا جال پھیلا دیا گیا، ملک کو این، کے، وی، ڈی کے حوالے کیا گیا جس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترکیب سوسائٹی کے انتہائی کمینہ خصلت انسانوں سے کی گئی ہے ۔۔۔ اور اس طرح قومی ملکیت کے باڑے میں عوام کو بھیڑ بکریوں، گائے بیلوں اور گھوڑے گدھوں کا مقام دیا گیا۔

لیکن اتنا ہی نہیں کہ یہ قیمت یک مشت ادا کرنے کے بعد عوام کا حساب چکتا ہو گیا ہو۔ بلکہ ابھی "دو وقتہ روٹی اور برے وقت کے مالی سہارے" کی قیمت بالاقساط وصول کرنے کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ یعنی کمیونسٹ پارٹی جو عوام کے صرف پانچ فیصد حصے پر مشتمل ہے، ایک قاہرانہ ڈکٹیٹر شپ میں ملک کو جکڑے ہوئے ہے۔ اس پارٹی کے اقتدار کے زیر سایہ حکومت کے انتخابات محض ایک ڈرامے کی حیثیت رکھتے ہیں[1]۔ امیدواروں کی نامزدگی خود اس پارٹی کی مرضی سے ہوتی ہے۔ ایک نشست کے لئے ایک ہی امیدوار کھڑا ہوتا ہے۔ پھر عوام زیر حراست آ آ کر اس کو ۹۷ فیصدی اور ۹۹ فیصدی ووٹ دیتے ہیں اور وہ بلا مقابلہ کامیاب ہو کر نمائندگی عوام کا آخری مقام حاصل کرتا ہے۔

اس سوشلسٹ نظام کے تحت منصوبہ بندی کی کامیابی بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ چند افراد کا ایسا کلّی اقتدار مسلّط رہے کہ جس کی مرضی کے آگے لوگ بالکل جذبۂ عبودیت کے ساتھ سرِ تسلیم خم کرتے رہیں اور کوئی دم مارنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اختلاف اس کے سامنے دم بخود رہے، تنقید اس کے روبرو مہر بہ لب ہو اور آزادی اس کے حضور سینے پر ہاتھ باندھے کھڑی رہے۔ منصوبہ بند نظام تقاضا کرتا ہے کہ چند افراد اتنی قدرت رکھتے ہوں کہ وہ عوام کو ایک ریوڑ کی طرح اپنی مرضی کے مطابق جدھر چاہیں ہانک سکیں۔ چنانچہ صرف سیاست کے میدان ہی میں نہیں، اور صرف صنعت و زراعت کے دائرے ہی میں نہیں، بلکہ تعلیم اور ادب اور صحافت اور موسیقی اور تھیٹر اور تفریحات اور انجمن سازی وغیرہ، سارے ہی شعبوں میں چند افراد کی ایک ٹولی کی کمانڈ چلتی ہے اور اس سخت گیرانہ کمانڈ کے سامنے کسی کے لئے مجالِ سرتابی نہیں ہے

---

[1] جیسا ڈرامہ ہمارے صوبہ سرحد میں ابھی ابھی ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیا کی یہ بدترین غلامی ہے کہ جس میں اولادِ آدم کی ایک بڑی تعداد کو اپنے خیالات، اپنے جذبات، اپنے احساسات، اپنے ذوق، اپنے آرٹ، اپنے قلم، اپنی زبان اور اپنی ہر چیز کو دوسروں کے سامنے گروی رکھنا پڑتا ہے۔ اس غلامی کے خلاف جس کسی نے کوئی جنبش کی ہے اس کے لئے پھر اشتراکی جنت میں زندگی اجیرن ہوگئی ہے۔ اسے غدار ٹھیرایا گیا ہے، اسے سبوتاژ کا مجرم گردانا گیا ہے، اسے پارٹی سے برطرف کیا گیا ہے، اسے سوسائٹی میں ذلیل کر دیا گیا ہے، اسے روٹی سے محروم چھوڑ دیا گیا ہے، اسے لیبر کیمپ میں ایڑیاں رگڑنے کے لئے مجبور کیا گیا ہے، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ انقلابی سوشلزم کی تاریخ دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عوام بے چارے تو کیا، خود وہ بڑے بڑے اشتراکی لیڈر جن کے ہاتھوں یہ انقلاب برپا ہوا تھا، جو مارکسی تحریک کے اوّل درجے کے جان لڑانے والے سپاہی تھے، جو عوام کو تربیت دینے والے ذہین و فطین ادیب تھے، جو ایک مدّت دراز تک اشتراکی حکومت کے قابلِ اعتماد عہدہ دار اور خود کمیونسٹ پارٹی کی پالیسی بنانے والے سربراہ کار رہے، وہ یک بیک غدار اور دشمنِ انقلاب اور بیرونی حکومتوں کے ایجنٹ قرار دے دیئے گئے اور ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتارے گئے اور ان میں سے بعض کے متعلق تو کسی کو یہ پتہ ہی نہیں چل سکا کہ ان کو زمین نگل گئی یا آسمان نے اچک لیا۔

چند افراد کا یہ قہرمان اقتدار ہر لحظہ جوابی ردِّ عمل کے خطرے سے دوچار ہے، اس لئے یہ اپنے چاروں طرف غدّاری کی بُو سونگھتا رہتا ہے اور اپنے بچاؤ کے لئے کڑی تدابیر اختیار کرتا ہے، اسی مقصد کے لئے پارٹی کو جلاّب دیتے رہنے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اسی مقصد کے لئے جاسوسی کا مستقل جال پھیلایا گیا ہے، اسی کے لئے ملک کی ایک بڑی آبادی کو لیبر کیمپوں میں بند رکھا جاتا ہے، اسی کے لئے ملک کو آہنی پردے میں گھیر کر بیرونی دنیا سے منقطع کیا گیا ہے۔

بزرگو! اور بھائیو! یہ ہے وہ قیمت جو انقلابی سوشلزم کے سائے میں عوام کو "دو وقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ردی اور بڑے وقت میں مالی سہارا پانے کے لئے ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ اب یہ سوچنا آپ کا اپنا کام ہے کہ اتنے حاصل کے لئے اتنی قیمت دے کر کیا انسان یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اس نے وہ جنتِ امن و سکون پالی جس کے لئے وہ سوشلسٹ تحریک کی رہ نمائی میں تیس سال سے ایک جاں کاہ سفر کرتا چلا آرہا ہے۔

پھر سوشلزم کی تحریک کی حیثیت کو مشخص کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ بین الاقوامی فضاؤں میں بھی اسکی پالیسی کا مطالعہ کریں۔ بین الاقوامی حیثیت سے اس تحریک کے جو مظاہر ہمارے سامنے ہیں وہ اس بات کی قطعی شہادت ہیں کہ بوڑھے سرمایہ دارانہ امپیریلزم کے مقابلے میں ایک نوجوان سوشلسٹ امپیریلزم نئے ہتھکنڈوں کے ساتھ ارتقا کر رہا ہے۔ سفید امپیریلزم کے مقابلے میں اس سرخ امپیریلزم کی تکنیک جو امتیازی پہلو رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب سے پہلے پروپیگنڈا کے ذریعے دوسرے ملکوں میں اپنے ایجنٹ اور اپنے آلات فراہم کرتا ہے، پھر جب وہ منظم ہو کر کسی ملک کے اندر سے زور کرتے ہیں تو طبقاتی جنگ کا طوفان جتنا جتنا داخلی نظم کو کمزور کرتا جاتا ہے باہر سے یہ امپیریلزم اتنا ہی زیادہ اثر انداز ہونا شروع کر دیتا ہے، یہاں تک کہ آخرِ کار جہاں کہیں کمیونسٹ انقلاب تکمیل پا جاتا ہے وہاں اس امپیریلزم کا براہِ راست تسلط بھی مکمل ہو جاتا ہے۔ اس تسلط کے بعد پھر کسی بدنصیب ملک میں حالات کا جو ارتقا ہوتا ہے وہ اس سے کئی گنا زیادہ بدتر ہوتا ہے جو کہ سفید امپیریلزم کے تحت ہوتا رہا ہے۔ سوشلزم کا شکار ہونے والے ملکوں میں سرخ امپیریلزم اپنے آدمیوں کو لا کے اقتدار پر بٹھاتا ہے، باہر سے پالیسی القا ہوتی ہے، مذہب کی جڑیں جبراً کھود دی جاتی ہیں، اختلاف کرنے والے عناصر قتل اور جلاوطن کر دیے جاتے ہیں، خام اجناس اور مصنوعات کی لوٹ مچا دی جاتی ہے، تعلیم کو امپیریلسٹ مقاصد کے سانچے میں ڈھال دیا جاتا ہے، زبان، ادب، صحافت، لٹریچر اور رسم الخط تک کو من مانی شکل دی جاتی ہے، ڈرامے، موسیقی، مصوری اور شاعری کو بالکل اپنا آلۂ کار بنا لیا جاتا ہے، تاریخ کی تدوینِ جدید سفید جھوٹ کی بنیادوں پر کی جاتی ہے ——

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح کی کارروائیوں کی سب سے زیادہ عبرت ناک مثالیں روسی ترکستان کے انقلاب میں مل سکتی ہیں اور اب چین اور چینی ترکستان میں بھی پیدا ہو چکی ہیں۔

امپیریلیزم کی اس روح کا بڑا نمایاں مظاہرہ یو، این، او اور دوسری بین الاقوامی مجالس میں اشتراکی نمائندوں کے طرزِ عمل سے ہوتا ہے۔ یہ لوگ سفید امپیریلیزم کے علمبرداروں کے بالمقابل بالکل وہی پوزیشن رکھتے ہیں جو دو کاروباری حریفوں یا دو شکاریوں کی آپس میں ہو سکتی ہے۔ جیسے ہتھکنڈے ایک طرف سے دیکھنے میں آتے ہیں بالکل ویسے ہی ہتھکنڈے دوسری طرف سے سامنے آتے ہیں۔ ایک طرف اگر جھوٹ، چالبازی، فریب کاری اور عیاری کے ہتھیار چمکتے دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف بھی بد دیانتی، خود غرضی، جعل سازی اور فتنہ انگیزی ہی کے آلات کی نمائش ہے۔ حق پرستی اور خدمتِ انسانیت اور انصاف پسندی نہ اُدھر ہے، نہ اِدھر۔ دونوں کا مقابلہ ہے تو اس میں ہے کہ کمزور ممالک میں سے کون کتنوں کو اپنے زیرِ اثر کر سکتا ہے اور کون کس جنگی ناکے پر قابض ہو سکتا ہے اور کون کس ملک کی پیداواروں سے فائدہ اٹھا لے جاتا ہے اور کون کس قوم کو مالی امداد اور معاہدوں کے جال میں آگے بڑھ کر پھانس لیتا ہے، اور کون کس ملک کے نمائندوں کے ووٹ اپنے ساتھ لے لیتا ہے ـــــ یہ ساری کشمکش ایک ہی مادرِ تہذیب کی جنی ہوئی دو تحریکوں کی کشمکش ہے اور اس میں ایک ہی سے ہتھیار استعمال ہوتے ہیں جو دونوں کو ایک ہی اسلحہ خانے سے ملے ہیں۔

غرض جو توقعات جمہوری نظام سے مایوس ہو کر انسانیت نے سوشلزم کی تحریک سے باندھی تھیں وہ اب تیس سالہ قربانیوں اور محنتوں کے بعد چُور چُور ہوئی پڑی ہیں۔

۳۔ فاشزم

دنیائے انسانیت کو جب وہ امن و اطمینان کہ جس کے خواب وہ تہذیبِ الحاد کے سائے میں دیکھ رہی تھی، نہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کی تحریک سے ملا، نہ سوشلزم کی تحریک سے، تو ایک تیسری تحریک اسی تہذیب کی بنیاد پر آہستہ آہستہ پروان چڑھی جسے آج ہم فاشزم کے نام سے پہچانتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ۔ فاشزم سرمایہ دارانہ جمہوریت اور سوشلزم کے مجموعی ردِ عمل کا نتیجہ ہے ۔ دونوں کے مفاسد سے بچنے کے لئے یہ ایک تیسری راہ نکالی گئی، لیکن آگے چل کر اس نے ان سے زیادہ کرطوے کسیلے پھل دیئے ۔

واضح رہے کہ فاشزم ان مخصوص نظاموں کے کسی ڈھانچے کا نام نہیں جو ہٹلر نے جرمنی میں، یا مسولینی نے اٹلی میں قائم کیئے گئے تھے ۔ بلکہ فاشزم کے کچھ جوہری اصول ہیں کہ وہ جس ملک اور جس ڈھانچے میں بھی برسرِ عمل ہوں اپنی ایک خاص نوعیت رکھتے ہیں ۔ یہ اصول کسی نہ کسی حد تک اکثر جمہوری ممالک میں بھی عمل انداز ہوئے ہیں، لیکن جرمنی اور اٹلی کے علاوہ خاص طور پر ان کو جنوبی امریکہ، ترکی، یوگوسلاویہ، رومانیہ، بلغاریہ، ہنگری، پولینڈ، لٹویا، اسٹونیا، ہسپانیہ، آسٹریا جاپان وغیرہ نے کسی نہ کسی درجے میں اپنے نظامِ اجتماعی کا ترکیبی عنصر بنایا ہے ۔ جرمنی اور اٹلی میں ہٹلر اور مسولینی نے ان اصولوں کو منضبط کیا اور ان پر باقاعدہ مکمل نظام چلا کر دکھائے اور ان کو ایک مستقل تحریک کی حیثیت میں ڈھالا ۔ اس وجہ سے فاشزم کا نام آتے ہی جرمنی اور اٹلی کے نام ذہنوں میں ابھر آتے ہیں ۔

فاشزم دراصل سرمایہ داری زیرِ تسلطِ ریاست* State Controlled Capitalism کا دوسرا نام ہے ۔ اسکی بہت متوازن تعریف یوں کی گئی ہے :-

"فاشزم اُسی پالیسی کا نام ہے جو شخصی ملکیت کو باقی رکھتی ہے، مگر ایک مضبوط اسٹیٹ کنٹرول کے تحت اس کو جکڑ دیتی ہے، لبرل ڈیموکریٹک پارٹی گورنمنٹ کے طریقہ کو رد کر کے ملک میں ایک کلی اسٹیٹ Totalitarian State قائم کرتی ہے جسے ایک گروہی حکومت Hierarchy چلاتی ہے، (یعنی چند طاقت ور اشخاص کا ایک متحد و منظم گروپ) ۔ ملک میں اس ایک جماعت

ـلـه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سوا کسی سیاسی پارٹی کو از روئے قانون باقی نہیں رہنے دیا جاتا، اور طاقت ور منظم اقلیت اسلحہ، پروپیگنڈا اور جاسوسی کے بل پر اکثریت کو غلام بنا رکھتی ہے۔"

تحریک فاشزم اپنی داخلی روح کے اعتبار سے سرمایہ دارانہ نوعیت رکھتی ہے، لیکن اپنے خارجی سیاسی طرزِ عمل کے لحاظ سے اس میں وہ تمام مفاسد برسرِ عمل ہوتے ہیں جو سوشلسٹ تحریک کے تسلط پا جانے پر ایک جابرانہ ڈکٹیٹرشپ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ سوشلزم اور فاشزم میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے کہ دونوں کے دونوں اقتصادی اور معاشرتی زندگی پر پوری طرح حکومت کا کنٹرول قائم کرتے ہیں، دونوں کے دونوں مختارِ مطلق قسم کے مرکزی اقتدار کے متقاضی ہیں اور پھر دونوں تنقید اور اختلاف کو کچلنے میں ایک ہی جیسے ہتھکنڈے اختیار کرتے ہیں اور دونوں ظلم و تشدد کے طور طریقوں میں بھی مماثل ہیں۔ دونوں کو جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ صرف ایک ہے۔ یعنی فاشزم نیشنلزم پر ایمان رکھتا ہے اور قومی وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے طبقاتی تقسیم اور طبقاتی جنگ کے مظاہر کو بالجبر روکتا ہے۔ لیکن سوشلزم قومی وحدت کا دشمن ہے اور طبقاتی جنگ کا داعی۔ نیز فاشزم انفرادی سرمایہ داری کو اپنے شکنجے میں کس لیتا ہے اور سوشلزم اسے مٹا دینے پر اصرار کرتا ہے۔

میں اپنی تقریر میں اس کا موقع نہیں دیکھتا کہ جرمنی اور اٹلی میں فاشزم کے نشو و نما کی تاریخ بیان کرسکوں، اس لئے مختصر طور پر اُن اصولوں اور اُن طور طریقوں کا تعارف کرانے پر اکتفا کرتا ہوں جن کو فاشزم کی تحریک اپنے ساتھ لائی ہے۔ ان اصولوں اور طور طریقوں سے آپ کا واقف ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ بدقسمتی سے خود آپ کے ملک میں ان کو آزمایا جا رہا ہے اور خطرہ ہے کہ اگر بروقت آپ ان کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوئے تو پھر یہاں ایک دوسرا جرمنی، ایک دوسرا اٹلی اور ایک دوسرا جاپان وجود میں آسکتا ہے۔

فاشزم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اقلیت اکثریت پر حکومت کرتی ہے۔ کچھ لوگ کسی وقتی ہنگامے سے فائدہ اٹھا کر جائز طریقے یا ناجائز طریقے سے ایک مرتبہ برسرِ اقتدار آجانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد پورے ملک اور پوری قوم کے خلاف ایک سازش کر لیتے ہیں اور ایک گٹھ جوڑ بنا لیتے ہیں۔ پھر اس گٹھ جوڑ کو مضبوط کرنے کے لئے اپنے گرد ایک جعلی سیاسی تنظیم بھی فراہم کر لیتے ہیں۔ پھر جب وہ اس سازش میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ان چند آدمیوں کی ٹولی قانون اور حکومت کے اختیارات اور دوسرے ذرائع و وسائل سے پوری قوم کو جدھر چاہتی ہے ہانکتی پھرتی ہے۔ چنانچہ ہٹلر کا نظریہ کھلم کھلا یہ تھا کہ "حکومت ہمیشہ اقلیت کرتی ہے" اور یہ کہ "عوام کا بھلا اسی میں ہے کہ ان کی رہنمائی چند بہترین چیدہ اشخاص کریں" اور یہ کہ "اکثریت کی حکومت کے معنی یہ ہیں کہ بہت سے بے وقوف بزدل اور کم حوصلہ آدمی چند مضبوط، قابل، بہادر اور ممتاز لوگوں کو مغلوب کر کے رکھیں"۔ اسی طرح اٹلی میں فاشسٹ نظریہ کی علمی تعبیر کرتے ہوئے کہا جاتا تھا کہ "جمہوریت ایک بے بادشاہ کی سلطنت ہے جو بہت سے بادشاہوں سے پٹی رہتی ہے، اور یہ بہت سے بادشاہ ایک بادشاہ کی بہ نسبت زیادہ سخت گیر، زیادہ جابر اور زیادہ تباہ کار ثابت ہوتے ہیں"۔

اس کے ساتھ ساتھ فاشسزم کی تحریک حکمراں طاقت کو پوری طرح غیر محدود اختیارات سے مسلح کرنا چاہتی ہے اور ایک فاشی حکمران اپنے آپ کو لازماً قانون تو کیا دستور تک سے بالاتر رکھتا ہے اور دستور اور قانون کی دفعات کو اپنے مقاصد کے لئے کھلونا بنا لیتا ہے۔ مثلاً جرمنی میں ۳ مارچ ۱۹۳۳ء کے انتخابات میں ہٹلر نے دیکھا کہ اگرچہ نازی پارٹی کے ممبر کافی تعداد میں آ گئے ہیں لیکن کمیونسٹ بھی اتنے بہرحال موجود ہیں کہ وہ دستور میں ترمیم نہ ہونے دیں گے۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے ریش کا اجلاس بلاتے ہوئے کمیونسٹ ارکان کو اطلاع ہی نہیں دی گئی اور انکی عدم موجودگی میں تفویض اختیارات کا قانون Enabling Act پاس کر ڈالا جس نے ساری طاقت ہٹلر کے ہاتھوں میں منتقل کر دی۔ اس ایکٹ کی رُو سے حکومت کو قانون سازی کے غیر محدود اختیارات حاصل ہو گئے۔ دستور کی کلی یا جزئی ترمیم یا منسوخی کے اختیارات سے بھی حکمراں طاقت مسلح ہو گئی۔ علاوہ بریں حکومت لیجسلیچر کے مشورے کے بغیر معاہدات اور اعلانِ جنگ کرنے کی مجاز ٹھیرائی گئی۔ چنانچہ ۲۸ مارچ کو دستور کی وہ دفعات جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جرمن عوام کے بنیادی حقوق و فرائض سے متعلق تھیں، کالعدم قرار دے دی گئیں۔

ہٹلر کے بے پناہ اختیارات کا اس سے بڑا مظاہرہ کیا ہوگا کہ ۳۰ جون ۱۹۳۴ء کو ایک بڑے گروہ پر بغاوت کے لئے خفیہ سازش کرنے کا الزام رکھ کر بلا مقدمہ چلائے ہٹلر نے بطورِ خود اس کے تمام افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کی تعداد مانچسٹر گارڈین نے ۲۸۲ اور نیویارک ٹائمز نے ۱۲۰۰ بتائی ہے۔ ان میں ہٹلر کے خاص سٹارم ٹروپ کا سردار اعلیٰ بھی تھا اور نازی پارٹی کے پرانے وفادار ممبر بھی تھے۔ لیکن ہٹلر نے رائش میں صاف صاف کہا کہ:-

"اگر کوئی پوچھے کہ ان لوگوں پر مقدمہ کیوں نہیں چلایا گیا تو میری طرف سے اس کا جواب صرف یہ ہے کہ اس وقت میں جرمن قوم کی قسمت کا ذمہ دار تھا، اس لئے میں خود اپنے اندر سپریم لیگل اتھارٹی رکھتا تھا۔"

اس طریق سے جہاں کہیں بھی دستور اور قانون کھیل بن جائے، حکمراں طاقت کے مفاد کی سوئی کی حرکت کے ساتھ دستور اور قانون موم کی ناک بنا اِدھر سے اُدھر مڑتا رہے اور ایک ایک فرد کی ضرورت کے لئے قواعد بدل دیئے جانے لگیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ فاشزم کے اصولوں نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔

فاشزم کا ایک امتیاز یہ ہے کہ حکومت اور سیاسی تنظیم کے اعلیٰ عہدے مٹھی بھر آدمیوں کی اجارہ داری میں چلے جاتے ہیں۔ بلکہ ایک آدمی کئی کئی ذمہ داریوں کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے، اور جب کوئی جگہ خالی ہوتی ہے تو انہیں چند اجارہ داروں میں سے کسی کو لا کے اس جگہ کو پُر کر لیا جاتا ہے۔ ایک ہی لوگ ہوتے ہیں جو حکومت کے عہدوں اور عوامی تنظیم کی قیادت پر بیک وقت قابض ہوتے ہیں۔

فاشزم کی سازشی سیاست بغیر اس کے چل نہیں سکتی کہ پروپیگنڈہ کے پورے وسائل خصوصاً ریڈیو اور پریس حکمراں طاقت کی اپنی اجارہ داری میں رہیں۔ پریس اور ریڈیو دونوں کے ذریعے ایک طرف یہ دکھایا جاتا ہے کہ اختلاف کرنے والی کوئی طاقت اوّل تو سرے سے موجود نہیں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اگر کوئی ہے تو بڑی بودی، بددیانت، اور بڑی بے اثر ہے، اور دوسری طرف ایک جعلی رائے عام کو، نمایاں کر کر کے پیش کیا جاتا ہے کہ ملک کی ساری فضا ہمارے ہی حق میں ہے۔ واقعات کو، خبروں کو، تقاریر کو، اعداد وشمار کو اور دلائل کو بالکل اس شکل میں ڈھال کر پیش کیا جاتا ہے جو حکمراں طاقت کے مفاد کے مطابق ہو۔ حقیقی دنیا کے حالات چاہے کچھ ہوں مگر پروپیگنڈا کے اسکرین پر آپ کو وہی کچھ دکھایا جائے گا جو فاشی قیادت کے حسب منشا ہو۔

پھر فاشزم کا خاصہ ہے کہ وہ تنقید واختلاف کو ہر طریقے سے ـــ قانون بنا کر بھی اور لاقانونی سے بھی ـــ دباتا ہے، اور پوری سختی سے دباتا ہے۔ ہٹلر جب تک برسر اقتدار آنے کی جد وجہد میں مصروف تھا تو اس وقت تک مخالفین کو دبانے کے لئے اس کے پاس واحد قوت Storm Troops کی تھی۔ پبلک اجتماعات کے موقع پر ہٹلر کے جانباز ہلڑ مچاتے تھے اور مخالفین کو مار گراتے تھے۔ یہاں تک کہ ۹ رنومبر ۱۹۲۳ء کو اس نے چند ساتھیوں کی مدد سے بویرین گورنمنٹ کے کمشنر فان کاہر Kahr کو پکڑ کر پستول کی دھمکی سے نئی راتش گورنمنٹ کے اعلان پر مجبور کیا۔ پھر جب وہ برسر اقتدار آگیا تو نازی جرمنی میں گورنمنٹ کو قانوناً یہ حق حاصل تھا کہ جسے چاہے بلا وارنٹ گرفتار کر لے اور جب تک چاہے بلا مقدمہ چلائے قید رکھے۔ چنانچہ ۱۹۳۴ء میں ایک لاکھ آدمی قید خانوں اور کنسنٹریشن کیمپوں میں پڑے سڑ رہے تھے۔

مخالفین کو دبانے اور اپنے حامیوں کو آگے بڑھانے کے لئے ایک طرف تو یہ کیا جاتا ہے کہ زندگی کے روزمرہ کے مسائل اور ضروریات میں سرکاری مداخلت کا دامن وسیع کیا جاتا ہے، دوسری طرف بروئے قانون ظالمانہ اختیارات حاصل کئے جاتے ہیں اور تیسری طرف اپنی حرکات کو عدالت کی حدودِ اختیار سے بالاتر رکھا جاتا ہے۔ فاشزم میں پورا عدالتی نظام عہدہ دارانِ حکومت کے اشارۂ ابرو پر کام کرتا ہے، حد یہ کہ خاص اور اہم مقدمات میں ججوں کو اوپر سے فیصلے القا ہوتے ہیں۔ قانون کی ترازو کے باٹ بالکل کانٹے استعمال کئے جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاشزم کے زیرِ سایہ انتخاب اس طرح ہوتے ہیں کہ ظاہراً جمہوریت کی ضروری شرائط پوری ہو جائیں، لیکن اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے ہنگامۂ انتخاب ایک جعلی کارروائی ہوتا ہے۔ دراصل کچھ لوگ پہلے سے حکمراں طاقت کے نامزد کردہ ہوتے ہیں، جن کے حق میں سرکاری اثر ورسوخ استعمال ہوتا ہے، جن کے مخالفین کو دبانے کے لئے قانون اور نظم ونسق کی قوتیں کام کرتی ہیں، جن کا پروپیگنڈہ حکومت کے اشاروں سے پورا پریس کرتا ہے، اور جن کی کامیابی کے لئے ووٹر اس پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ لازماً انہی کو ووٹ دیں۔ دوسرے لفظوں میں عوام کے حق رائے دہی کی پوری پوری جیب تراشی ہوتی ہے۔

پھر فاشزم کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس تحریک کی نشوونما ہمیشہ نمائشی تقریبوں اور جذباتی مظاہروں کی فضا میں ہوتی ہے۔ حکمرانوں کی سازشی ٹولی عوام پر کسی عقلی نصب العین اور علمی دلائل کے زور سے اثر انداز ہونے کے بجائے اہتمام اس امر کا کرتی ہے کہ اس کے افراد کی عظمت قائم کرنے کے لئے جگہ جگہ ان کے استقبال ہوں، ان کے سامنے خوشامدانہ ایڈریس پڑھے جائیں، ان سے ہر اسکیم کا اور ہر بڑی صنعت اور بڑے کاروبار کا، ہر ہسپتال اور ادارے کا افتتاح کرایا جائے، ان کو پارٹیاں دی جائیں، ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے جائیں، پھر انکی اور ان کی بیگمات کی مختلف جلسوں اور پارٹیوں میں لی ہوئی تصاویر ہر روز اخبارات میں شائع ہوں، ان کے ناموں پر اداروں اور سڑکوں اور مجلسوں اور باغوں کے نام رکھے جائیں، ان کی تقریروں کے منتخب جملوں کو "کلمۂ طیبہ" بنایا جائے اور ان کے فرمودات فریموں میں لکھ کر آویزاں کئے جائیں اور وقتاً فوقتاً اخبارات اور تقاریر میں دہرائے جاتے رہیں اور ان کا اثر بٹھانے کے لئے کرائے کے ادیب اور صحافی اپنا پورا زورِ قلم صرف کر کے ان کے شاندار خاکے تیار کریں۔ اس طرح ملک کے عوام کے ذہن میں زبردستی فاشی حکمرانوں کی عظمت اتاری جاتی ہے اور ان کو محسوس کرایا جاتا ہے کہ تمہارے ملک میں یہی چند گنے چنے افراد ہیں جن پر تمہاری نگاہیں جمنی چاہئیں۔ چنانچہ نازی لیڈروں، خصوصاً ہٹلر کی تصاویر تمام سرکاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمارتوں اور اجتماعی اداروں اور پبلک مقامات پر جبراً آویزاں کرائی گئی تھیں اور عام نازی اپنے کوٹوں اور اپنی ٹوپیوں پر اور اپنے بٹنوں میں اس کو سجاتے تھے اور تعویذ کی طرح اس سے عقیدت رکھتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ فاشی حکمراں عوام کے جذبات کو غذا دینے کے لئے بار بار قسم قسم کی تقاریب مناتے ہیں، اور ہر تقریب پر مظاہرات، فوجی نمائشوں، سلامیوں اور پریڈوں کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ مثلاً مسولینی مظاہرے کے فن کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے فاشستی انقلاب کی نمائش، روم پر چڑھائی کی سالانہ یادگار، اور پیاوے Piave پر اٹلی کی فتح کی سالانہ یادگار کی تقریب کے ذریعے عوام کو برابر اُکسایا ہے۔ یہی نہیں وہ کرسمس کے موقع پر انعامات تقسیم کرنے، بلکہ مزدوروں کو بڑھاپے کی پنشنیں دینے کے لئے بھی بڑی ٹھاٹھ کی تقاریب کا اہتمام کرتا تھا۔ یونیفارموں، جھنڈوں، نعروں، گیتوں اور جلوسوں کے مظاہروں کا نشہ پلا کر اس نے عوام کے جذبات کو جس طرح برسوں مسحور رکھا ہے وہ ہر فاشیت پسند طاقت کے لئے ایک قابلِ تقلید اُسوہ ہے۔

فاشزم کی تحریک اجتماعی تنظیم کے لئے جو روح فراہم کرتی ہے وہ قومی اور نسلی فوقیت کا جذبہ ہے۔ جرمنی، اٹلی، جاپان اور دوسرے تمام فاشیت زدہ ممالک میں نیشنلزم کی یہ مکروہ ترین اور متشددترین صورت ہی وہ طاقت تھی کہ جس نے عوام میں جذبات پیدا کئے اور ان کو کام کرنے کی ایک اجتماعی اسپرٹ دی۔ نیشنلزم کی یہ مکروہ ترین اسپرٹ اگر کسی درجے میں موجود نہ ہو تو فاشزم کو ایک اجتماعی تحریک کی حیثیت سے پروان چڑھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ فاشزم کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ایک قوم میں نسلی یا قومی تفوق کا جذبہ ابھارا جائے اور پھر قومی و نسلی عظمت کے نام پر جو مہم شروع کی جائے اس میں قومی وحدت کو ہر دوسری چیز سے اہم سمجھا جائے۔ فاشزم کسی نصب العین، کسی اصول اور کسی آئیڈیا لوجی کی بنا پر اجتماعی نظم بندی کو گوارا نہیں کرتا بلکہ ایسی نظم بندی کو وہ اپنے وجود کے لئے خطرناک سمجھتا ہے۔ وہ ہر اصولی دعوت،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر آئیڈیالوجی اور ہر اجتماعی نصب العین کے مقابلے میں قومی وحدت کے جذباتی احساس کو لا رکھتا ہے۔ فاشزم کسی پاکیزہ سے پاکیزہ اصلاحی تحریک اور کسی اچھے سے اچھے اخلاقی نصب العین کو اس بنا پر کچل دینا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس سے قومی وحدت کو اور قومی عظمت کے مقصد کو نقصان پہنچتا ہے۔ فاشزم کی نگاہ میں ایسی چیزیں انتشار اور تخریب پسندی قرار پاتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ مذہب اور خدا کا بھی کوئی ایسا تصوّر برداشت نہیں کر سکتا جو اس کے قومی و نسلی تفوق کے جذبات کو مجروح کرنے والا ہو۔ نازیوں نے خدا کو مانا تو اس طرح مانا کہ:۔

"خدا اس قوت حیات کا نام ہے جو جرمن نسل کے اندر حلول کیے ہوئے ہے۔"

اور ان میں سے جن لوگوں میں مسیح علیہ السلام سے کوئی عقیدت باقی تھی وہ اس نظریے کے ساتھ تھی کہ مسیح نارڈک اصل کے تھے۔ خود نصرانیت پر نازیوں کو یہ اعتراض تھا کہ اس میں تمام انسانوں کی برابری کا عقیدہ ہے جو جرمن نسل کی فوقیت کے خلاف ہے۔

ہر معاملے میں قوم کا نام لینا، قوم کا واسطہ دلانا، قومی مفاد پر اپیل کرنا، قومی اسپرٹ کو ابھار کر عوام میں حرکت پیدا کرنا اور قومی وحدت کے تحفظ کو ہر مقصد سے برتر سمجھنا، یہ طبعی تقاضا ہے ایک فاشی نظام کا! اور پھر اسی قومی وحدت اور قومی مفاد کو ہر اپوزیشن، ہر اختلاف اور ہر تنقید کے کچلنے کے لئے آلۂ کار بنایا جاتا ہے۔

ان سارے اصولوں اور طور طریقوں کے ساتھ ایک اور چیز جو فاشی تحریک کے مزاج میں شامل ہے وہ ذوقِ تشدد اور ذوقِ جنگ ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی فاشی نظام پایا گیا ہے اس میں داخلی طور پر اختلاف کرنے والوں کے لئے تشدد کا جذبہ اور بیرونی قوموں کے لئے نفرت اور جنگ کا جذبہ ضرور برسرِ عمل رہا ہے۔

اس تحریک کا حاصل اس تحریک پر مختلف قوموں نے اپنے آپ کو بھینٹ چڑھا کر اس سے جو کچھ پایا ہے وہ صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ جہاں بھی یہ تحریک پروان چڑھی ہے وہاں داخلی حیثیت سے اس نے فرد کو حکمرانوں کے سامنے بالکل بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔ دوسرے یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ بین الاقوامی حیثیت سے اس نے بھڑکتے ہوئے جنگی جذبات پیدا کئے۔ اس تحریک کے ہر تجربے کے نتائج یہی تھے اور جمہوریت اور سوشلزم کے مقابلے میں اس کے یہ نتائج بہت جلد دنیا کے سامنے آئے ہیں۔ اس نے اپنا پھل دینے میں کچھ بھی دیر نہیں کی۔ اور یہ تحریک نہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کے علمبرداروں کی ہمدردیاں حاصل کر سکی، نہ سوشلزم کے علمبرداروں کو حامی بنا سکی، بلکہ دونوں کی مخالفت کی چکی کے پاٹوں میں پس کر رہ گئی۔

اب فاشی نظام اپنی مکمل شکل میں دنیا کے کسی گوشے میں بھی کار فرما نہیں رہا، لیکن اس کے اصول اور طور طریقے خاص طور پر اشتراکی سلطنت میں اور اس کے علاوہ بہت سے پسماندہ ممالک میں زور شور سے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ مگر کوئی بھی عقلی طور پر ان اصولوں اور طور طریقوں کی حمایت و وکالت پر تیار نہیں ہے اور جہاں کہیں یہ طریقے استعمال کئے جاتے ہیں وہاں رائے عام ان کے خلاف زور کرتی ہے۔

مجموعی تبصرہ تہذیبِ الحاد نے اپنے آپ کو جن بڑی بڑی اجتماعی تحریکوں میں ڈھال کر پیش کیا ہے ان سب کے اصولوں سے اور ان کے مجموعی حاصل سے تعارف کرانے کے بعد اب میں چند الفاظ میں ان سب پر ایک تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔

ان تحریکوں کے متعلق یہ کہنا انصاف اور دیانت کے بالکل خلاف ہوگا کہ ان میں حق اور خیر اور افادیت کا سرے سے کوئی پہلو ہی موجود نہیں ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے ــــ دنیا میں خالص باطل اور شر اور مضرت کو کوئی ایک متنفس بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ ان تحریکوں میں بالیقین کچھ پہلو حق اور خیر اور افادیت کے موجود ہیں اور ہر ایک تحریک میں ایک جوہر ایسا ہے کہ جس کی کشش سے لوگ اس کی طرف لپکتے ہیں۔ لیکن اس جوہرِ حق و افادیت کی جو قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اُن کے ساتھ شر اور باطل کی جتنی مقدار انسانیت کو قبول کرنی پڑتی ہے اس کی وجہ سے آخر کار لوگ چیخ اٹھتے ہیں۔ چنانچہ وہ جمہوریت، سوشلزم اور فاشزم میں سے ہر ایک کا تجربہ کر کے دیکھ چکے ہیں کہ ہر تحریک حق اور افادیت کے ساتھ باطل اور شر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اتنے وسیع پہلو رکھتی ہے کہ سودا مہنگا پڑتا ہے۔

اس مختصر سے تبصرے کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا انسانیت کی معراج بس یہی ہے جہاں اس تہذیبِ الحاد نے لاکر ہم کو کھڑا کر دیا ہے؟ اور کیا واقعی ہم بس اس بات پر مجبور ہیں اسی تہذیب کی پیش کردہ تین تحریکوں میں سے کسی ایک کو انتخاب کر کے لازماً اس کا دامن تھام لیں؟ اور کوئی نیا راستہ ہمارے لئے باقی نہیں ہے کہ ہم ان راستوں سے منہ موڑ کر اس طرف چل کھڑے ہوں؟ کیا ہم بالکل بے بس کر دیئے گئے ہیں کہ جمہوریت، سوشلزم، اور فاشزم کی تین دکانوں میں سے کسی ایک کا سودا ضرور خریدیں اور اس سودے میں جو بھی نفع نقصان پیش آتا ہو اسے چپ چاپ برداشت کر لیں؟

بہت سے لوگ اس سوال کا یہی جواب اپنے پاس رکھتے ہیں!

لیکن ہم اس سوال کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔ ہم اس تہذیب کے پیدا کردہ حالات کو انسانیت کی معراج نہیں سمجھتے۔ ہم اس کی پیش کردہ تحریکوں کو حرفِ آخر نہیں مانتے۔ ہم اپنے آپ کو اس پر مجبور نہیں پاتے کہ بلے چون وچرا ان میں سے کسی ایک کو انتخاب کر لیں۔ ہم تہذیبِ الحاد کی کسی ایک تحریک کو اختیار کرنے اور کسی دوسری تحریک کو ردّ کرنے کے بجائے اس پورے دورِ تہذیب کو ردّ کرتے ہیں۔ ہم ان تحریکوں کو ایک ہی خاندان قرار دیتے ہیں ——— اور ایسا خاندان کہ جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ "ایں خانہ تمام آفتاب است!" ——— ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ انسان اپنی ارتقا کی آخری منزل پر آچکا ہے اور تاریخ اس منزل پر آکھڑی ہوئی ہے جس سے آگے کوئی منزل نہیں۔ اور ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو الحاد کی کسی ایک تحریک کا جھنڈا اٹھا کر اس کی کسی دوسری تحریک کے خلاف لڑ کر سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی بڑا جہاد لڑ رہے ہیں۔ ہم ان کے بخلاف یہ سمجھتے کہ تہذیبِ الحاد انسان کو بدترین پستی کے مقام پر لے آئی ہے اور ہمارا منصب یہ ہے کہ ہم اس پوری تہذیب، اس کی ساری اولاد اور اس کی ساری تحریکوں کے خلاف اعلانِ جنگ کریں۔ ہم اس پورے مجموعۂ تہذیب کو ردّ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کے اس کے خلاف نئے اصولوں پر ایک نئی تہذیب اور اس دور کے خلاف ایک نئے دور کا جھنڈا اٹھا رہے ہیں۔

آج یہ تہذیب الحاد اپنے سارے پتّے ڈال چکی ہے اور اپنے سارے مہرے چل چکی ہے اور اس کی کوکھ سے کسی نئی تحریک کے رونما ہونے کے دور دور تک کوئی آثار نہیں ہیں ـــ کوئی نئی تنظیم تو کجا، اور کوئی نئی فلسفیانہ فکر تو کجا، ادب اور آرٹ کے میدان میں بھی کسی اور تحریک کی تخم ریزی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس مرغی کو جتنے انڈے دینے تھے وہ ان کو دے کر پوری طرح کڑک ہو چکی ہے۔ اب انسان اس جگہ آ کھڑا ہوا ہے جہاں سے آگے چلنے سے پہلے اسے حسرت و پشیمانی کے ساتھ اپنے اس سارے سفر تہذیب پر ایک نگاہِ بازگشت ڈال کر رکھنا ہے کہ اس نے کھویا کیا اور پایا کیا! یہ ٹھیک وہ لمحہ ہے کہ جو ایک نئے[1] اور پاکیزہ اسلامی دورِ تہذیب کی تاسیس کا لمحہ ہے۔

ہم اس لمحہ پر کھڑے ہو کر آج تہذیبِ الحاد کے مقابلے میں تحریکِ اسلامی کو لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ حقیر سی ابتدا اپنے سامنے ایک شاندار انتہا رکھتی ہے۔

تحریکِ اسلامی

تہذیبِ الحاد اور اس کی پیش کردہ تحریکوں کے مقابلے میں تحریکِ اسلامی کا تعارف کرانے کے لیے میں چند اہم حقیقتوں کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔

اولاً یہ کہ یہ تحریک ایک اصولی تحریک ہے۔ یہ نہ تو محدود معنوں میں کوئی مذہبی فرقہ

---

[1] "نئے" سے مراد یہ نہیں کہ اسلامی دورِ تہذیب اس سے پہلے کبھی نمودار نہیں ہوا، وہ یقیناً تاریخ میں بار بار ظہور کر چکا ہے، لیکن وہ جہاں اتنا پرانا ہے کہ جتنا انسان، وہاں وہ اپنے ہر ظہور پر اتنا ہی نیا بھی ہوتا ہے جتنا کہ کوئی اجنبی چیز ہوتی ہے۔ اس لئے اسے "نیا" اضافی حیثیت سے کہا جا رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور نہ کوئی ایسی سیاسی جتھہ بندی ہے کہ جس کا مقصد کچھ افراد کو گرا کر کچھ افراد کو اوپر لانا ہو۔ بخلاف اس کے یہ ایک نظریۂ حیات، ایک نصب العین اور اپنے چند اصول رکھتی ہے جن کو یہ پرائیویٹ اور پبلک، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے ہی پہلوؤں میں غالب کرنا چاہتی ہے۔ اس تحریک کے پیش نظر کوئی جزوی اصلاحات و ترمیمات نہیں ہیں بلکہ یہ اخلاق کو بھی، سیاست کو بھی، معاشی اور معاشرتی تنظیم کو بھی، تعلیم اور ادب کو بھی، قانون اور نظم و نسق کو بھی ایک نئے سانچے میں ڈھالنا چاہتی ہے۔ اس کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ یہ ایک مکمل اسٹیٹ میں ڈھل کر انسانیت کی صلاح و فلاح کا بار سنبھالے۔

ثانیاً یہ کہ اس تحریک کی نگاہ میں دنیا کے ہر بگاڑ کا حقیقی سبب خدا کا انکار اور اس کی ہدایت سے افراد اور قوموں کی بے نیازی ہے۔ اس وجہ سے یہ تحریک انسانی فلاح کے لئے بنیادی اصول یہ اختیار کرتی ہے کہ یہ دنیا جس خدا کی بنائی ہوئی ہے اور جس کے چلائے چل رہی ہے اور جو اس پر قاہرانہ تسلط رکھتا ہے اور جس کے قوانین کی بندش میں اس کے تمام اجزا جکڑے ہوئے ہیں، وہ انسان کا بھی حاکم و الٰہ ہے اور انسان اس کے سامنے بندہ و نائب کی حیثیت کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ انسانی زندگی کی درستی کا سارا دار و مدار اس بات پر ہے کہ وہ بے چون و چرا خدا کی ہدایت اور خدا کے قانون کو تسلیم کرے جسے انبیاء و رسل کے ذریعے اس نے نازل کیا ہے۔ خدا کی مرضی اور خدا کا قانون ہی وہ سرچشمۂ ہدایت ہے کہ جس سے زندگی کے ہر شعبے کے لئے صحیح اصول اور اخلاق کی مستقل قدریں حاصل ہوتی ہیں۔ نیز یہ کہ انسان اپنی زندگی کے ہر ہر قدم پر اس خدا کے سامنے آخرت کی عدالت میں پیشی اور اپنے اعمال کی جوابدہی کا احساس کرے۔

ثالثاً یہ کہ یہ تحریک انسان کو ہر انسانی اقتدار سے نجات دلانے والی تحریک ہے۔ یہ ہر اس فلسفے، نظریے، اصول، قانون، قاعدے، روایت، حکومت، اقتدار اور برتری کے بندھن کو توڑ دینا چاہتی ہے جو خدا کے قانون کے تابع نہ ہو یا جو اس کے خلاف لڑتا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رابعاً یہ کہ یہ تحریک قوم پرستی، نسل پرستی، وطن پرستی اور طبقاتی تعصبات سے بالا تر ہے۔ اس کے سامنے کسی ایک ملک یا قوم یا نسل یا طبقے کی صلاح و فلاح کا مسئلہ نہیں، بلکہ پوری انسانیت کی صلاح و فلاح کا مسئلہ ہے۔ اس کے پاس جو اصولِ حق اور اصولِ انصاف ہیں وہ جیسے ایک ملک و قوم کے لئے ہیں ویسے ہی دوسرے ملک و قوم کے لئے بھی ہیں، اس کا پیغام جیسے ایک طبقے کے لئے ہے ویسے ہی دوسرے طبقات کے لئے بھی ہے، وہ جو تبدیلیاں ایک جغرافی حد کے اِس پار چاہتی ہے وہی تبدیلیاں اس سرحد کے اُس پار بھی چاہتی ہے۔ اس تحریک کا دامن انسانیت کے کسی ایک گروہ سے بندھا ہوا نہیں ہے بلکہ جو آگے بڑھ کر اسے قبول کر لے اور جو اسکی سربلندی کے لئے جدوجہد کرنے پر تیار ہو یہ تحریک اس کی اپنی تحریک ہے۔ اس کے دروازے ہر انسان کے لئے یکساں کھلے ہوئے ہیں۔

خامساً یہ کہ یہ تحریک ہر شعبۂ زندگی بلکہ پورے نظامِ تہذیب کو اُن مستقل اخلاقی قدروں پر قائم کرنا چاہتی ہے جن کی بنیادیں خود انسانی فطرت میں موجود ہیں اور جن کو تفصیل کے ساتھ خدا کے انبیاء نے نکھار کر پیش کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تحریک اصلاح کو باہر ہی باہر سے انسان کے اوپر لادنے کے بجائے اصلاح کو اس کے اندر سے ابھارنا چاہتی ہے۔ یہ نیا نظام اور نیا قانون ہی نہیں سامنے لاتی بلکہ تہذیبِ الحاد کے بنائے ہوئے انسان کے بالمقابل ایک نئے نمونے کا پاکیزہ سیرت انسان بھی برپا کرتی ہے۔ یہ انسانیت کے موجودہ خود غرض خواہش پرست، جدل پسند اور عیار نمونے کے مقابلے میں اصول پسند، حق پرست، با اخلاق، تعاون کیش، انصاف پسند، دیانت دار اور ایثار پیشہ اوصاف کا نمونۂ انسان پیش کرتی ہے۔ اس تحریک کی نگاہ میں انسانی ذہن و سیرت کو صحیح بنیادوں پر استوار کئے بغیر محض نظامِ زندگی کی کچھ خارجی تبدیلیاں بنی آدم کو وہ جنتِ امن بہم نہیں پہنچا سکتیں جس کے لئے وہ صدیوں سے بار بار قطعِ مسافت کر رہا ہے اور منزل ہے کہ دُور تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ یہ تحریک اس کی قائل ہے کہ ایک نظامِ خیر و صلاح کو چلانے کے لئے پاک سیرت کارکن درکار ہیں اور ہر اصلاح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے پاکیزہ ہاتھوں کی ضرورت ہے۔

سادساً یہ کہ یہ تحریک اصلاح کے لئے اپنی ساری مہم صالح اصولوں پر چلانا چاہتی ہے اور اپنی انقلابی حرکت کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لئے اپنے اخلاقی اصولوں سے ہٹے ہوئے طریقوں کو کسی درجے میں بھی استعمال کرنے پر تیار نہیں ہے۔ تہذیبِ الحاد کی تحریکوں کے طریقِ کار کے بخلاف اس کا طریقِ کار بھی اتنا ہی پاکیزہ ہے جتنا کہ اس کا نصب العین۔ یہ جھوٹے پروپیگنڈے، جوڑ توڑ اور سازشوں، خفیہ تدبیروں، اور فریب کارانہ ہتھکنڈوں سے اپنی انقلابی ٹکنیک کو بالکل پاک رکھنا چاہتی ہے۔ اس کی ٹکنیک یکسر دوسری ہے۔

جمہوریت کی ایک نئی قسم | یہ تحریک ریاست کی تشکیل اور سیاسی نظام کی تعمیر کے لئے ایک بالکل جداگانہ قسم کا نقشہ اپنے سامنے رکھتی ہے۔ ان کی نگاہ میں حاکمیت کا سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ نہ صرف تکوینی حاکمیت بلا شرکتِ غیرے اس کی ہے بلکہ تشریعی حاکمیت بھی بلا شرکتِ غیرے اسی کی ہے۔ وہ صرف ایک طبعی اقتدار (Physical Authority) ہی کا مالک نہیں، بلکہ وہی سیاسی اقتدار (Political Authority) اور آئینی اقتدار (Legal Authority) کا بھی مالک ہے۔ تحریکِ اسلامی خدا کے مقابلے میں افراد، پارلیمنٹوں، قوموں اور جمہور سب سے حاکمیت سلب کر لینا چاہتی ہے۔ وہ کسی کے لئے بھی خدا کی اطاعت اور اس کے قانون کی پابندی سے آزاد ہو کر قانون بنانے اور حکم چلانے اور اختیارات استعمال کرنے کا حق باقی نہیں رہنے دینا چاہتی۔ وہ اصل حکمران اور آخری اتھارٹی خدا کو سمجھتی ہے، اور سیاسی تنظیم کی فلاح اس کے نزدیک اس میں ہے کہ حکمراں طاقت اور عوام دونوں کے حقوق و فرائض خدا کے قانون کی لکیر سے تقسیم ہوں اور دونوں کے دونوں یکساں حدود اللہ کے پابند اور خدا کی رضا کے تابع ہوں۔

اسلامی تحریک ایک ایسا اسٹیٹ چاہتی ہے جو جمہور کی خواہشات اور نظم و نسق چلانے والوں کی مفاد پرستیوں کا کھلونا نہ ہو اور جو اپنے آپ کو ہر بندش سے آزاد سمجھ کر اپنی داخلی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خارجی پالیسی نہ بنائے بلکہ جس میں جمہور اور ان کے سربراہِ کار دونوں خداوند تعالیٰ کے بالاتر اقتدار کے تابع بن کر کام کریں۔ اس مقصد کے لیئے وہ "حاکمیتِ جمہور" Popular Sovereignty کے بجائے "خلافتِ جمہور" کا نظریہ سامنے لاتی ہے۔ یعنی اسلامی ریاست کو جو سوسائٹی چلا رہی ہو وہ اپنے آپ کو مجموعی حیثیت سے خدا کا نائب سمجھے اور اس کا ہر فرد خدا کی بندگی و خلافت کے مقام پر رہ کر اپنا حصہ ادا کرے۔ خلافتِ جمہور کے نظریے کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی تحریک کی مطلوبہ "الٰہی ریاست" کا اجتماعی نظام رائے عام کی پشت پناہی سے چلے۔ عام لوگوں کی اکثریت ہی اس کے چلانے کے لئے بہترین قابلیت و اخلاق کے کارپردازوں کو منتخب کرے، عام لوگ ان کی نگرانی اور ان کا محاسبہ کرنے والے ہوں، عام لوگوں ہی کی رائے سے اس کا ارتقا ہو اور عام لوگوں ہی کے مطالبے پر اس میں تبدیلیاں واقع ہوں۔

اسلامی تحریک کا مطلوبہ اسٹیٹ اپنے قوانین اور اپنی پالیسی کی بنیاد خدا کی کتاب اور اس کے رسولوں کی سنّت پر رکھے گا۔ اس کے ہاں جو چیز پیش کی جائے گی وہ اس دلیل سے پیش کی جائے گی کہ خدا کی شریعت نے اس کا مطالبہ کیا ہے یا وہ اس کی گنجائش دیتی ہے، اور اس میں جس چیز کے خلاف آواز اٹھائی جائے گی اس دلیل سے اٹھائی جائے گی کہ خدا کی شریعت نے اس سے روکا ہے یا وہ اس کی گنجائش نہیں دیتی ہے۔

پھر اسلامی اسٹیٹ اور اس کی سیاسی تنظیم کے سامنے عوام کے مادّی مفاد کی اہمیّت کے ساتھ ساتھ اس سے کچھ بڑھ چڑھ کر اخلاقی مفاد کی اہمیت ہوگی۔ وہ مادّی مفاد کو اخلاقی مفاد کے تابع رکھے گی۔ جہاں وہ یہ محسوس کرے گی کہ کسی بڑے سے بڑے مادّی مفاد کے حصول کے لئے سوسائٹی کے اخلاقی مفاد کو بھینٹ چڑھانا پڑتا ہے تو اس صورت میں وہ مادّی مفاد کو ٹھکرا دینے میں بھی تامّل نہ کرے گی۔ تحریکِ اسلامی کی نگاہ میں انسانیت کی قوت کا اصل منبع اس کا اخلاق ہے اور اگر اخلاقی قوت وصحت بحال رہے تو مادّی مفاد اور مادّی قوت خود بخود حاصل ہوتی ہے۔ ایک اسلامی ریاست کا مرکزی فریضہ اعلیٰ اخلاقی قدروں کی آبیاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور اخلاقی مفاسد کی بیخ کنی!

اسلامی تحریک جس اسٹیٹ کو وجود میں لانا چاہتی ہے وہ لاحزبی[1] شورائی نظام Non Party Parliamentary System کا متقاضی ہے۔ یہ اسٹیٹ اصولی اسٹیٹ ہونے کی وجہ سے صرف اُن لوگوں کے ذریعے سے چل سکتا ہے جو اس کے اصولوں پر پختہ ایمان رکھتے ہوئے اس کے مقاصد کے لئے مخلصانہ جذبۂ ایثار و تعاون کے ساتھ کام کریں۔ لہٰذا وہ اس امر کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا کہ اس کے چلانے والے شخصی اور طبقاتی مفاد کی بنیادوں پر جتھا بندیاں کریں اور کثیر الاحزاب نظام Multi Party System کے طریق پر جوڑ توڑ اور کشمکش کے مفاسد سے ساری سوسائٹی کو گندہ کر کے رکھ دیں۔ اس ریاست کے لاحزبی نظام شورائی میں فرد فرد اپنے آپ کو خدا کی رضا کا تابع رکھتے ہوئے اظہار رائے کرے گا اور اپنا ووٹ استعمال کرے گا۔ آج ایک مسئلے میں وہ کسی کا حامی تھا اور کل دوسرے مسئلے میں اس کی رائے کسی اور کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

پھر اسلامی نظامِ ریاست ایک غیر قومی اور غیر نسلی نوعیت رکھتا ہے۔ اس کے دروازے ہر اس شخص کے لئے کھلے ہیں جو اس کے اصول و مقاصد پر ایمان لائے۔ ہر ملک، ہر قوم، ہر نسل اور ہر طبقے کا آدمی اس کے چلانے میں حصہ دار بننے کا حق رکھتا ہے۔ یہ ریاست اس لحاظ سے بھی قطعاً غیر قومی اور غیر نسلی ہے کہ یہ اپنے اصولوں کی افادیت اور اپنی برکات کو کسی خاص گروہِ انسانی کا اجارہ بنا کر رکھنا نہیں چاہتی بلکہ یہ بات عین اس کے وجود میں شامل ہے کہ یہ ہمہ تن

[1] واضح رہے کہ ایک جماعتی نظام Single Party System اور لاحزبی نظام کی اصطلاحات کا مفہوم بالکل جدا جدا ہے۔ یک جماعتی نظام وہ ہوتا ہے جس میں ایک گروہ دوسرے گروہوں کو دبا کر اپنا راج چلاتا ہے۔ لیکن لاحزبی نظام میں اس طرح کی جتھا بندی ہی سرے سے قابل برداشت نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موجودہ ریاستوں کو اسلامی لاحزبی نظام تک پہنچانے کے لئے پارٹی سسٹم کے ایک عبوری دور سے گذرے بغیر چارہ نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساری دنیا کے سامنے اپنے اصولوں کی داعی اور ایک پیغام اصلاح کی علمبردار ہو۔

ایک نئی معاشی تنظیم | ایک نئی سیاسی تنظیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تحریک جس نئی معاشی تنظیم کو برپا کرنا چاہتی ہے وہ ایسی متوازن اسکیم پر مبنی ہے کہ اس میں دوسری تحریکوں کے پیش کردہ مفید پہلوؤں میں سے تو کوئی بھی ساقط نہیں ہوتا، لیکن ان کے خطرناک مفاسد سے وہ بالکل پاک ہے۔

وہ افراد کو پورے پورے حقوقِ ملکیت دیتی ہے اور ان کی حفاظت کرنا چاہتی ہے، لیکن یہ حقوقِ ملکیت وہ اس طرح نہیں دیتی کہ فرد کو بالکل بے لگام چھوڑ دے، بلکہ حقوقِ ملکیت کے اوپر وہ اپنی مخصوص اخلاقی پابندیاں عاید کرنا چاہتی ہے۔ وہ دولت پیدا کرنے کی، اس کو استعمال کرنے کی، کوئی پیشہ انتخاب کرنے کی، روپیہ لگانے کی، نفع کمانے کی آزادی ضرور دیتی ہے مگر ایسی اندھی آزادی دینے پر تیار نہیں ہے جو سوسائٹی اور انسانیت کے مجموعی مفاد کے لئے مہلک ہو۔ وہ اس آزادی کو اخلاقی حدود سے محدود کرتی ہے۔ وہ کمانے اور خرچ کرنے کے طور طریقوں میں سے چُن چُن کر ان تمام چیزوں کو حرام ٹھیراتی ہے جن سے معاشرہ میں مختلف اخلاقی مفاسد ابھرتے ہیں، دوسروں کی حق تلفیاں ہوتی ہیں اور سوسائٹی کا مجموعی مفاد تباہ ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ کھلی مسابقت کا بھی موقع دیتی ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ مسابقت مساویانہ ہو اور معاشی دوڑ میں قوی کی چیرہ دستیوں سے کمزور کو بچانے کا انتظام برسرِ عمل رہے۔ وہ ایسی اجارہ داریوں کو قائم نہیں رہنے دینا چاہتی جو آزاد مسابقت کو مساویانہ مسابقت نہیں رہنے دیتیں۔ پھر وہ اس مسابقت میں افراد کو اس حال میں مبتلا نہیں کر دینا چاہتی کہ بالکل نفسی نفسی کی کیفیت پیدا ہو جائے اور ہر شخص آپ اپنا ذمہ دار ہو کہ اگر وہ اس دوڑ میں گر پڑے تو اس کے سہارا دینے کا کوئی انتظام نہ ہو۔ اسلامی نظامِ معشیت کا ایک بنیادی لازمہ یہ ہے کہ اس میں ایک طرف افراد کی اخلاقی اٹھان ایسی ہو کہ وہ اپنے گرنے والے ساتھیوں کو بڑھ کے سہارا دیں اور دوسری طرف ایک مرکزی ادارہ خاص اس مقصد کے لئے کام کرے کہ وہ ہر گرتے والے کو سنبھالے اور اس کو ضروری مدد دے کر از سرِ نو معاشی دوڑ میں حصہ لینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قابل بناتے ۔ اجتماعی انشورنس کا یہ ایک ایسا مفید سسٹم ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے نہ انفرادی آزادی پر آنچ آتی ہے اور نہ سرمایہ دارانہ نظام کی سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

پھر اسلامی معاشی تنظیم کی اسپرٹ یہ ہے کہ وہ طبقاتی نزاع کی روک تھام کرے اور افراد اور طبقات میں باہمی تعاون پیدا کرے ۔ وہ سرمایہ و محنت کو ان حالات سے نکالنا چاہتی ہے جو ان میں کشمکش پیدا کرتے ہیں، اور ایسے حالات ان کو بہم پہنچانا چاہتی ہے کہ وہ باہمی تعاون کا جذبہ لے کر اپنی ریاست، سوسائٹی اور انسانیت کی خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب اصول و مقاصد کا بول بالا کریں۔

اسلامی معیشت کے اصول ریاست کی عدم مداخلت کے اس مفہوم کو قبول نہیں کرتے کہ محنت کار کو سرمایہ دار طبقوں کے بالکل رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے بلکہ وہ محنت کاروں کے حقوق کو متعین کر کے ان کا تحفظ چاہتی ہے ۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی نظامِ معشیت کے اصول تقاضا کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو بنیادی ضروریاتِ زندگی کی بہم رسانی کی ضمانت دے اور ضرورت مندوں کی کفالت کرے ۔ اگر اس کے زیرِ سایہ کوئی فرد روٹی، کپڑے، مکان، تعلیم اور صحت کی ضروریات پوری کرنے سے محروم رہے تو اسلامی نقطۂ نظر سے پورا اجتماعی نظام اور اس کے چلانے والے مجرم ہیں ۔

نئی معاشرتی تنظیم | اسلامی تحریک مغربی نظامِ معاشرت کے مقابلے میں اپنی معاشرتی تنظیم کو بھی دوسرے اصولوں پر قائم کرنا چاہتی ہے ۔ اسلامی نظامِ معاشرت کے لئے خاندان سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے ۔ کیوں کہ خاندان نہ صرف یہ کہ انسانیت کے لئے داعیاتِ محبت و ایثار سے بھری ہوئی ایک فضا، ذہنی بحالی کے لئے ایک سکون گاہ اور اخلاقی محرکات کو جلا دینے والی ایک جنتِ جذبات فراہم کرتا ہے اور نہ صرف یہ کہ وہ انسانیت کے پیراہن میں مختلف نسبی اور صہری رشتوں کے ٹانکے لگانے والا ادارہ ہے، بلکہ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ نئی نسلوں کی پود کے لئے ایسی کیاریاں فراہم کرتا ہے جن کی آبیاری بڑے پاکیزہ جذبات سے ہوتی ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کو مضرات سے بچانے کے لئے قابلِ اعتماد انتظام ہوتا ہے۔

پس خاندان کے ادارے کو بچانے کے لئے اسلامی نظامِ معاشرت کے اصول تقاضا کرتے ہیں کہ مرد و عورت کے درمیان نکاح کے جائز راستے کو پوری طرح کھول دیا جائے اور زنا، اس کی ہر شکل، اس کے محرکات اور اس کے لئے سازگار ماحول کا کلیتہً خاتمہ کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اسلام نے علیحدگیٔ صنفین (Segregation of Sexes) کا اصول اور اس اصول کے تحت پردہ کا سسٹم اختیار کیا ہے۔ نیز اس نے مرد و عورت کے درمیان فرائض اور میدانِ عمل کی ایک مستقل تقسیم کر دی ہے۔ اس تقسیم کو توڑنے کے بعد پھر نہ پردہ کا سسٹم قائم رہ سکتا ہے، نہ علیحدگیٔ صنفین کا اصول کام کر سکتا ہے اور نہ پھر زنا کی روک تھام ہو سکتی ہے۔

اس معاشرتی تنظیم میں نظر بازی، زنا، برتھ کنٹرول، حرام اولاد، عشرت پسندی اور نام نہاد آرٹ اور بے حیائی کے اس طوفان کے پھوٹ پڑنے کا کوئی امکان نہیں کہ جس کے زیرِ اثر مغرب میں انسانی اخلاق کی ساری بساط چوپٹ ہو گئی ہے۔

بین الاقوامی پروگرام اسلامی تحریک چاہے اپنا آغاز کہیں سے کر رہی ہو لیکن وہ بہرحال اپنے سامنے ایک بین الاقوامی پروگرام رکھتی ہے۔ وہ جس اسٹیٹ کی شکل میں ڈھلنے والی ہے اس کے عین وجود میں انسانیت گیر تقاضے کام کریں گے۔

لیکن یہ چونکہ قومی اسٹیٹ نہیں ہوگا، اور پھر یہ مفاد پرست اسٹیٹ بھی نہیں ہوگا، بلکہ یہ خدا پرست اور انسانیت کا خیر خواہ ہوگا، اس لئے اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ یہ دنیا کو ایک شکار گاہ سمجھ کر مکر و فریب کے جال اور قہر و جبر کے نیزہ و تلوار لے کر کمزوروں کو اپنا لقمہ بنانے نکلے۔ یہ امپیریلیسٹ جذبات کے ساتھ بین الاقوامی لوٹ مار کا پروگرام بنانے والا اسٹیٹ نہیں ہو سکتا۔ بخلاف اس کے اس اسٹیٹ کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اپنے پاکیزہ اصولوں، اپنی تہذیب کی نئی بنیادوں اور اپنے مقاصدِ انسانیت کو دنیا کی ہر قوم اور شہرِ انسانیت کے ہر شہری تک پہنچانے کے لئے اپنے ذرائع و وسائل استعمال کرے اور جس حق پر اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنیادیں قائم ہیں اس کا جھنڈا زمین کے ہر گوشے میں بلند کرے۔ پھر اسلامی تحریک کا اگر کوئی بین الاقوامی پروگرام ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کو ظلم کی ہر شکل سے نجات دلائے اور خاص طور پر غلط اصولوں کی گرفت سے اور انسانی حاکمیت کے جوئے سے اسکی گردن کو آزاد کرائے۔ اس کی سعی یہ ہوگی کہ دنیا بھر میں خدا پرستی، صداقت، راستی، انصاف، شرافت و اخلاق، اور دیانت و امانت کی قدر شناس طاقتیں یکجان ہو کر خدا ناشناسی، مکر و فریب، ظلم، بداخلاقی و بے حیائی اور خیانت و دست درازی کی طاقتوں کے خلاف جدوجہد کریں۔

حضرات! یہ ہے اسلامی تحریک کا مختصر تعارف جس کو لے کر ہم اٹھے ہیں۔ نہ جانے اس قسم کی ہمہ گیر تحریک کے متعلق مدرسہ و خانقاہ کی دنیا کو یہ بدگمانی کیسے لاحق ہوئی کہ یہ کوئی ان کی حریف قوت ہے۔ یہ قوت تو اس پورے دورِ تہذیب کی حریف بن کے اٹھی ہے کہ جس کے حدود تسلط سے آج کوئی مدرسہ و خانقاہ بھی باہر نہیں۔ ہم ان حضرات کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ہماری طرف سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔

سیکولر تہذیب کی ناکامی کے بعد انسانیت مایوسی کے جس گڑھے کے قریب آپہنچی ہے اور اس کے سامنے جو خلاء پیدا ہو رہا ہے اس کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ اب اسلامی تحریک میدان میں آئے۔ تاریخِ انسانی میں جب کبھی اس طرح کا خلاء پیدا ہوا ہے تو خدا کی تکوینی مشیت نے انسانی ہدایت کا سروسامان کیا ہے اس لحاظ سے ہم محسوس کرتے ہیں کہ تحریکِ اسلامی ٹھیک اپنے وقت پر رونما ہوئی ہے۔ یہ نہ اپنے وقت سے پہلے آئی ہے اور نہ اپنے وقت کے بعد۔ پھر ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ آج پوری دنیا پر صرف دو طاقتوں کا تسلط ہے اور ان کے درمیان ہونے والی جنگ ان میں سے ایک کا عنقریب خاتمہ کر دینے والی ہے۔ پھر کیا یہ دنیا کسی ایک مفسد طاقت کی جاگیر بن کے رہ جائے گی؟ ــــ نہیں! قرآن کا فلسفۂ تاریخ اس کے بخلاف ہمیں یہ یقین دلاتا ہے کہ خدا نے اپنی دنیا کو کبھی کسی ایک مفسد طاقت کے بس میں نہیں دیا ہے بلکہ ہر مفسد طاقت کے استیصال کے لئے اس نے کسی نہ کسی دوسری طاقت کو اٹھایا ہے۔ اس لحاظ سے بھی ہم یقین کرتے ہیں کہ آئندہ جنگِ عظیم کے بعد کی تاریخ میں انسانیت کی نجات کے لئے جس قوت کو ایک اہم پارٹ ادا کرنا ہے وہ تحریکِ اسلامی ہی ہو سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بات بھی ایک فالِ نیک ہے کہ مختلف مسلم ممالک جو تقلیدِ مغرب کو ذریعۂ ترقی کی حیثیت سے برسوں آزمانے کے بعد بھی مغربی طریقوں سے زندگی نہیں پا سکے، اب ان کے اندر کا نوجوان عنصر مغرب کی فکری غلامی کا جوا گردنوں سے اتار کر اسلام کا علمبردار بن رہا ہے اور متعدد ممالک میں اسلامی تحریک کی موجیں بیک وقت اٹھنے لگی ہیں۔ یہ موجیں آگے چل کر جب باہم گلے مل جائیں گی تو یہ ایک بے پناہ تاریخی قوت میں ڈھل جائیں گی۔ یہ حالات شہادت دیتے ہیں کہ اسلامی تحریک کے لئے میدان ہموار ہو رہا ہے۔

ہم اس بات کا پورا پورا یقین رکھتے ہیں کہ دیر صرف اتنی ہے کہ اس تحریک کو کسی ایک ملک کے باشندے دل و جان سے اپنا لیں اور اس کے اصولوں پر ایک مرتبہ پورا نظامِ حیات تعمیر کر کے دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کر دیں۔ پھر نہ صرف یہ کہ مسلم ممالک، بلکہ وہ مغربی اور مشرقی ممالک بھی جہاں آج سرمایہ دارانہ جمہوریت یا سوشلزم کا دور دورہ ہے اسکے اصولوں سے مفتوح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ سوال صرف یہ ہے کہ کونسا ملک ہے جو آگے بڑھ کر سب سے پہلے اس کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ اس سعادتِ عظمیٰ کا مینا سامنے رکھا ہے اور "جو خود بڑھ کر اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے!"

ہماری دلی تمنا اور ہماری سعی یہ ہے کہ پاکستان ہی اس صبحِ سعادت کا مطلع بنے اور بظاہر حالات توقع بھی یہی ہے کہ ایک نئی تہذیبِ حق اور ایک دورِ امن کے افتتاح کا سہرا اسی خطہ کے سر بندھیگا۔ میں آپ کی خدمت میں گذارش کرونگا کہ یہ کام تو ہو کر رہنا ہے اور آپ اگر اس پر خدانخواستہ تیار نہ ہوئے تو یہ خدمت کسی اور کے ہاتھوں انجام پائے گی۔ وقت ہے کہ آپ ذمہ داری کو محسوس کریں اور خدا کے دین اور انسانیت کی اتنی بڑی خدمت کا جو موقع آپ کو مل رہا ہے اسے ضائع نہ کریں۔

آپ اگر دنیا بھر میں اسلامی تہذیب کی علمبرداری کا منصب اپنے لئے پسند کرتے ہوں تو پھر گھٹیا مقاصد پر زندگیاں نچھاور کرنے کی عادت چھوڑ دیں۔ ذرا ذرا سے فائدوں کے لئے اپنے آپ کو بیچتے پھرنا، کبھی اس جتھے کے ساتھ ہو کر اس کا جھنڈا بلند کرنا اور کبھی اُس ٹولی کے ساتھ جا کر زندہ باد کے نعرے لگانا، کبھی ایک کو پچھاڑنے کے لئے استعمال ہونا اور کبھی دوسرے کو کرسی پر بٹھانے کیلئے آلۂ کار بننا، یہ وہ ادنیٰ اور ذلیل مقاصد ہیں کہ جن میں ایمان و اخلاق اور قوتیں برباد کرنے کا نہ دنیا میں کچھ حاصل ہے، نہ آخرت میں۔ اب ان فضول کاموں کو چھوڑیے اور اُس عظیم الشان کام میں اپنی قوتیں، اپنے مال، اپنے اوقات اور اپنی جانیں کھپایئے جسکی تکمیل میں صرف آپ ہی کی نہیں، آپ کی آئندہ نسلوں کی اور آپ کے ساتھ ساری دنیا کی فلاح ہے — اور پھر صرف دنیا ہی کی فلاح نہیں آپکی آخرت کی فلاح بھی اسی میں ہے! وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

© rasailojaraid.com